واقعہ افک

الفضل آن لائن لندن



ادارہ الفضل آن لائن کی 20ویں کاوش

ربنا تقبل منا







واقعہ افک

مضمون نگار

علامہ ایچ ایم طارق
ابومصور خان
در مکنون

مرتبہ: سید عمار احمد

ادارہ الفضل آن لائن لندن

رابطہ کرنے کے لیے

ویب سائٹ: www.alfazlonline.org

ای میل ایڈریس: info@alfazlonline.org

editor@alfazlonline.org

فون نمبر: +44 79 5161 4020

+44 73 7615 9966

آن لائن ایڈیشن

دیباچہ

الفضل آن لائن میں دنیا بھر کے تمام موضوعات پر مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔ جن میں تاریخی، دینی، دنیاوی، روحانی، اخلاقی، معاشرتی، فنی اور معاشی مضامین شامل ہوتے ہیں۔ 2022ء میں جماعت احمدیہ کے تین مستند علماء کے "واقعہ افک" پر مضامین شائع ہوئے۔ ادارہ ان تینوں مضامین کو یکجا طور پر قارئین الفضل کی خدمت میں پیش کرنے جارہا ہے۔ ادارہ کی یہ 20ویں کاوش ہے۔ گر قبول افتد

اس میں درج ذیل تین جید علماء کے مضامین شامل کتابچہ ہیں۔

i. مکرم علامہ ایچ ایم طارق

ii. مکرم ابو مصور خان

iii. مکرم در مکنون

اللہ تعالیٰ ان تینوں کو جزائے خیر عطا کرے جو ادارہ الفضل کے ساتھ مسلسل تعاون میں رہتے ہیں۔ **فجزاھم اللہ تعالیٰ۔**

"واقعہ افک" پر اسلامی دنیا میں کتابیں بھری پڑی ہیں مگر ان تینوں علماء کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے نہایت خوبصورتی سے اختصار کے ساتھ اس اہم تاریخی واقعہ کے حقائق نہ صرف بیان کئے ہیں بلکہ حضرت عائشہؓ کو ان ذات بابرکات پر لگنے والے الزام سے کمال حکمت سے دلائل کے ساتھ بری کیا ہے اور سورۃ النور (جس میں یہ واقعہ درج ہے) کے دوسرے مضامین جیسے آیت استخلاف اور پردہ وغیرہ کی آیات سے ملا کر بہت عمدہ اور دلنشین مفہوم بیان کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو بہترین جزاء دے آمین۔

اس مائدہ کو حسب سابق مکرم سید عمار احمد۔ جرمنی نے الفضل آن لائن کے لاکھوں قارئین کے لئے تیار کیا۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ۔

اللہ تعالیٰ اس کتابچہ کو بھی دیگر کتابوں کی طرح احباب جماعت کے لئے مفید اور علم و ایمان میں اضافہ کا باعث بنائے آمین۔

الفضل آن لائن کے تین سالہ دور میں خلافت احمدیہ کی اہمیت و برکات پر جو مضامین شائع ہوئے ان کو بھی یکجا کرنے کا کام جاری ہے۔ اسی طرح تین سالوں میں رمضان کی اہمیت و افادیت و برکات پر خاکسار کے اداریوں کو بھی اکٹھا کروایا جارہا ہے۔ کامیابی کے لئے دعا کی درخواست ہے۔

حنیف محمود

ایڈیٹر روزنامہ الفضل آن لائن

27/12/22

انڈیکس

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
1	واقعہ افک اور اس کا پس منظر - قسط 1 (علامہ ایچ ایم طارق)	3
2	واقعہ افک میں مومنوں کے لیے سبق - قسط 2 (علامہ ایچ ایم طارق)	17
3	واقعہ افک-تاریخ کے آئینہ میں - قسط 1 (ابو مصور خان)	27
4	واقعہ افک-تاریخ کے آئینہ میں - قسط 2 (ابو مصور خان)	42
5	واقعہ افک (در مکنون)	60
6	مضامین کے لنکس	65
7	ادارہ الفضل آن لائن کی کتب	66

✶✶✶✶✶



علامہ ایچ ایم طارق کے مضمون





(قسط1)

واقعہ افک اور اس کا پس منظر

یہ چودہ سو برس سے کچھ اوپر سال کا دلخراش واقعہ ہے۔ ہجرت نبویؐ کا پانچواں سال تھا۔ مدینہ کا ماحول بظاہر پر سکون اور ساز گار تھا۔ بظاہر مسلمانوں کا بیرونی حملے کا خوف امن سے بدل چکا تھا کہ اسی سال چوبیس ہزار کا وہ لشکرِ کفار عرب جس نے مسلمانانِ مدینہ محاصرہ کر کے ان کی زندگیوں پر ایک زلزلہ طاری کر دیا تھا، پسپا ہو چکا تھا اور رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کو آئندہ اپنی حکمت عملی کی یہ نوید بھی سنا چکے تھے کہ اب قریش مکہ کبھی مدینہ پر حملہ کی جرأت نہ کر سکیں گے اور آئندہ ہمیں خود آگے بڑھ کر اپنا دفاع کرنا ہو گا۔ یوں مدینہ منورہ میں ایک طرف آئندہ فتوحات کے آغاز کا انتظار تھا تو دوسری طرف اندر اندر منافقین مسلمانوں کی ان عظیم الشان کامیابیوں پر حسد کی آگ میں جل رہے تھے اور وہ مسلمانوں کو اندرونی طور پر انتشار کا شکار کرنا چاہتے تھے۔

معلوم ہو گا کہ ہجرت مدینہ سے قبل اہل یثرب عبد اللہ بن ابی کے سر پر سرداری کا تاج رکھنے والے تھے مگر رسول اللہ ﷺ کی مدینہ تشریف آوری سے اس کے سارے خواب چکنا چور ہو کر رہ گئے جب اوس و خزرج اور قبائل یہود نے بالاتفاق رسول اللہ ﷺ کو سربراہ مدینہ تسلیم کر لیا۔ پھر ہجرت کے دوسرے ہی سال معرکۂ بدر سے حق و باطل کا فرق کھل کر سامنے آیا تو عبد اللہ بن ابی

سلول نے بھی بظاہر تو اسلام قبول کر لیا مگر اندر ہی اندر اسلام اور اس کے بانی کے خلاف مسلسل سازشوں میں مصروف رہا اور اپنے ساتھ منافقوں کا ایک فتنہ پرداز گروہ تیار کر لیا۔ غزوہ احد میں اس کا یہ نفاق کھل کر سامنے آیا جب وہ لشکر اسلام کو چھوڑ کر اپنے سات سو ساتھیوں کے ساتھ میدان احد سے واپس مدینہ چلا گیا۔

اسی زمانہ میں قبائل یہود بنو قینقاع اور قبیلہ بنو نضیر اپنی بد عہدی کے بعد مدینہ سے جلا وطن ہوئے۔ اس واقعہ نے جہاں یہود میں مسلمانوں کے خلاف حسد کی آگ اور تیز کر دی، وہاں عبد اللہ بن ابی کے لیے یہود میں مزید حمایتی پیدا ہو گئے۔

پھر جب غزوہ احزاب کے دوران غداری کے نتیجہ میں بنو قریظہ بھی سزا پا چکے، تو منافقین کی رہی سہی امیدیں بھی خاک میں مل گئیں اور انہیں شدت سے احساس ہوا کہ اسلام تو مسلسل دن دوگنی اور رات چوگنی ایسی ترقی کرتا چلا جا رہا ہے، جس کا مقابلہ ممکن نہیں۔ وہ یہ بھی مشاہدہ کر چکے تھے کہ مسلمانوں کے غلبہ کی اصل وجہ کثرت لشکر یا اسلحہ نہیں بلکہ خدا پرستی اور اخلاقی اقدار ہیں جس کا سرچشمہ رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات ہے۔ اس لیے انہوں نے آپؐ کی شخصیت کو نشانہ بنا کر اسلامی قیادت کے خلاف منفی پروپیگنڈا سے حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا اور غیر اخلاقی حملوں سے بانیٔ اسلام اور آپؐ کے قریبی ساتھیوں کی کردار کشی کے لیے سرگرم عمل ہو گئے۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَئِنۡ لَّمۡ يَنۡتَهِ الۡمُنٰفِقُوۡنَ وَالَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ وَّالۡمُرۡجِفُوۡنَ فِى الۡمَدِيۡنَةِ لَنُغۡرِيَنَّكَ بِهِمۡ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوۡنَكَ فِيۡهَاۤ اِلَّا قَلِيۡلًا

(الاحزاب:61)

اگر منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے اور وہ لوگ جو مدینہ میں جھوٹی خبریں اڑاتے پھرتے ہیں باز نہیں آئیں گے تو ہم ضرور تجھے (ان کی عقوبت کے لئے) ان کے پیچھے لگا دیں گے پھر وہ اِس (شہر) میں تیرے پڑوس میں نہیں رہ سکیں گے مگر تھوڑا۔

منافقوں نے نکتہ چینی کا ایک موقع 5 ھ میں رسول کریم ﷺ کی اپنی پھوپھی زاد حضرت زینبؓ سے شادی پر پیدا کر لیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کے منہ بولے بیٹے حضرت زیدؓ نے طبعی ناموافقت کی وجہ سے حضرت زینبؓ کو طلاق دے دی۔ جس کے بعد اللہ کے حکم سے حضرت زینبؓ آپؐ کے عقد میں آئیں تو انہوں نے خوب شور مچایا اور منہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے شادی پر اعتراض کیے۔ حالانکہ یہ خدائی فیصلہ متبنی کی قبیح رسم کے خاتمہ کے لیے تھا۔

الغرض گروہ منافقین بانیٔ اسلام ﷺ اور آپ کے ساتھیوں پر مسلسل الزام تراشی کی تاک میں رہتا تھا۔ اگلے ہی سال 6 ھ میں غزوہ مریسیع میں انہیں خود بانیٔ اسلامؐ کے علاوہ ام المومنین حضرت عائشہؓ اور حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ کے خلاف زبان طعن دراز کرنے کا موقع مل گیا۔ جب غزوہ مریسیع پر جاتے ہوئے حضرت عمرؓ کے غلام جہجاہ کی ایک چشمہ پر پانی لیتے ہوئے کچھ انصار سے ایسی تکرار ہو گئی جس کے نتیجہ میں قریب تھا کہ مہاجرین و انصار باہم برسرپیکار ہو جاتے۔ یہی وہ موقع تھا جس پر بدبخت عبد اللہ بن ابی نے رسول اللہ ﷺ کی گستاخی میں وہ سخت ناروا کلمات کیے جن کا سورۃ منافقون کی آیت میں ذکر ہے کہ ”وہ کہتے ہیں اگر ہم مدینہ کی طرف لوٹیں گے تو ضرور وہ جو سب سے زیادہ معزز ہے اُسے جو سب سے زیادہ ذلیل ہے اس میں سے نکال باہر کرے گا۔“ (المنافقون:9)

پھر اسی غزوہ مریسیع سے واپسی پر وہ ہولناک سانحہ بھی گزرا جس میں حضرت ام المومنین عائشہؓ پر عبد اللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں نے سخت ناروا الزام لگا کر بانیٔ اسلام ﷺ اور

مسلمانوں کے سینے چھلنی کر دیئے اور رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے صحابہ کی زندگی میں ایک سخت تکلیف دہ اضطراب برپا کر دیا۔ واقعہ افک کے تیس روز بعد سورۃ نور میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت نازل فرمائی۔

سورۃ نور وہی مبارک سورۃ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ایک طرف مسلمانوں کے ساتھ خلافت کے قیام کا وعدہ فرمایا ہے جو آپؐ کی وفات کے بعد پہلی دفعہ حضرت ابو بکرؓ کے وجود باجود سے پورا ہوا۔ تو دوسری طرف اس سورت میں ام المومنین حضرت عائشہؓ بنت حضرت ابو بکرؓ کی براءت کا اعلان ہوا اور پاکیزہ اسلامی معاشرہ کے قیام کے لیے اصول وضوابط مقرر ہوئے۔ الغرض سورۃ نور میں براءت حضرت عائشہؓ کے ساتھ وعدۂ خلافت کے یکجا ذکر میں اشارہ ہے کہ واقعہ افک کی سازش در اصل اسلامی قیادت اور نظام خلافت پر ایک حملہ تھا چنانچہ حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں: ”حضرت عائشہؓ پر الزام لگا کر دو شخصوں سے دشمنی نکالی جاسکتی تھی۔ ایک رسول کریم ﷺ اور ایک حضرت ابو بکرؓ سے کیونکہ ایک کی وہ بیوی تھیں اور ایک کی بیٹی تھیں۔۔۔ انہیں جس بات کا خطرہ تھا وہ یہ تھا کہ رسول کریم ﷺ کے بعد بھی وہ اپنی اغراض کو پورا کرنے سے محروم نہ رہ جائیں وہ دیکھ رہے تھے کہ آپ کے بعد خلیفہ ہونے کا اگر کوئی شخص اہل ہے تو وہ ابو بکرؓ ہی ہے۔ پس اس خطرہ کو بھانپتے ہوئے انہوں نے حضرت عائشہؓ پر الزام لگا دیا تا حضرت عائشہؓ رسول کریم ﷺ کی نگاہ سے گر جائیں اور ان کے گر جانے کی وجہ سے حضرت ابو بکرؓ کو مسلمانوں میں جو مقام حاصل ہے وہ بھی جاتا رہے اور مسلمان آپ سے بدظن ہو کر اس عقیدت کو ترک کر دیں جو انہیں آپ سے تھی اور اس طرح رسول کریم ﷺ کے بعد حضرت ابو بکرؓ کے خلیفہ ہونے کا دروازہ بالکل بند ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت عائشہؓ پر الزام لگنے کے بعد خلافت کا بھی ذکر کیا۔“

(تفسیر کبیر جلد 6 صفحہ 324-326)

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ واقعہ افک کا پس منظر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اس میں صرف ایک پاک دامن اور نہایت درجہ متقی اور پرہیز گار عورت کی عصمت پر ہی حملہ کرنا مقصود نہ تھا بلکہ بڑی غرض بالواسطہ مقدس بانیٔ اسلام کی عزت کو برباد کرنا اور اسلامی سوسائٹی پر ایک خطرناک زلزلہ وارد کرنا تھی اور منافقین نے اس گندے اور کمینے پراپیگنڈا کو اس طرح پر چرچا دیا تھا کہ بعض سادہ لوح مگر سچے مسلمان بھی ان کے دام تزویر میں الجھ کر ٹھوکر کھا گئے۔“

(سیرت خاتم النبیینؐ صفحہ 567)

اس دردناک واقعہ کی تفصیل خود اس پاک معصومہ ام المومنین حضرت عائشہؓ سے صحیح بخاری میں یوں بیان ہے کہ
رسول اللہ ﷺ جب کسی سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی ازواج کے نام قرعہ ڈالتے۔ پھر جس کا نام نکلتا، اس کو اپنے ساتھ لے جاتے۔۔۔ ایک غزوہ کے لئے آپؐ نکلے اور آپؐ نے ہمارے درمیان قرعہ ڈالا تو اس میں میرا نام نکلا اور میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گئی اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب پردہ کا حکم نازل ہو چکا تھا۔ مجھے ہودے میں بٹھا کر ہودج اونٹ پر رکھ دیا جاتا تھا اور اسی طرح اُتارا جاتا تھا۔

ہم سفر کرتے رہے یہاں تک کہ جب رسول اللہ ﷺ اس جنگ سے فارغ ہوئے اور لوٹتے ہوئے ہم مدینہ کے قریب پہنچے تو آپؐ نے ایک رات کوچ کرنے کا اعلان فرمایا۔ جب انہوں نے اعلان کیا تو مَیں اُٹھی اور قضائے حاجت کے لئے اتنی دور چلی گئی کہ فوج سے آگے نکل گئی۔ جب میں حاجت رفع کر کے کجاوے کی طرف آئی اور اپنے سینے کو چھوُا تو معلوم ہوا کہ میرا ہار جو ظفار کے نگینوں کا تھا، ٹوٹ کر کہیں گر گیا ہے۔ میں واپس لَوٹی اور اپنا ہار ڈھونڈنے لگی۔ اس کی تلاش نے مجھے روکے رکھا۔

کہتی تھیں: ادھر وہ لوگ آئے جو مجھے سوار کیا کرتے تھے۔ میرے ہودے کو اُٹھا کر اُس اونٹ پر رکھ دیا جس پر میں سوار ہوا کرتی تھی اور وہ سمجھتے تھے کہ میں ہودے میں ہوں اور عورتیں ان دِنوں ہلکی پھلکی ہوتی تھیں، موٹی اور پُر گوشت نہ ہوتی تھیں ۔ تھوڑا ہی تو کھانا کھاتی تھیں۔ خیر لوگوں نے ہودے کو اُٹھا کر اونٹ پر رکھتے وقت اس کے ہلکے پن کو محسوس نہ کیا (وہ یہ نہیں سمجھے کہ میں ہودے میں نہیں ہوں) اور میں ایک کم عمر لڑکی تھی۔ انہوں نے اونٹ کو اُٹھایا اور چل دیئے اور ادھر مجھے اپنا ہار مل گیا۔ میں ان کے خیموں کی جگہ پر آئی۔ وہاں نہ کوئی پکارنے والا تھا اور نہ جواب دینے والا۔ میں اپنی اس جگہ پر چلی گئی جس میں مقیم تھی۔ میں نے خیال کیا کہ جب وہ مجھے نہ پائیں گے تو میرے پاس واپس لوٹ آئیں گے۔

میں اپنے ٹھکانے میں بیٹھی تھی کہ میری آنکھ لگ گئی اور سو گئی اور صفوان بن معطل سُلمی ذکوانیؓ فوج کے پیچھے پیچھے رہنے کی ڈیوٹی تھی، وہ جب صبح میرے ٹھکانے کے قریب پہنچا تو اس نے (پہلے) ایک سوئے ہوئے انسان کو دیکھا۔ پھر دیکھتے ہی مجھے پہچان لیا اور پردہ کے حکم سے پہلے اس نے مجھے دیکھا ہوا تھا، جب اس نے مجھے پہچانا تو اِنَّا لِلّٰہ پڑھا، جس سے میں جاگ پڑی۔ میں نے اپنی جلباب (اوڑھنی) سے اپنا چہرہ ڈھانک لیا اور اللہ کی قسم! ہم نے بات نہ کی اور نہ میں نے اس کی کوئی بات سنی سوائے اِنَّا لِلّٰہ پڑھنے کے۔ وہ اونٹ سے نیچے اُترا اور اپنا اونٹ بٹھا دیا اور اونٹ کی اگلی ٹانگ پر اپنا پاؤں رکھا۔ میں اُٹھ کر اونٹنی کے پاس آئی اور اس پر سوار ہو گئی اور وہ اونٹنی کو آگے سے پکڑ کر روانہ ہو گیا یہاں تک کہ ہم جلتی بھنتی دھوپ میں ٹھیک دوپہر کو لشکر میں پہنچ گئے۔ اس وقت لوگ (آرام کے لئے) اُترے ہوئے تھے۔

کہتی تھیں: پھر اس واقعہ سے ہلاک ہوئے جو ہلاک ہوئے اور جس شخص نے بہتان میں بڑا حصہ لیا وہ عبداللہ بن اُبَیّ بن سلول تھا (کہ سب سے پہلے اسی نے الزام تراشی کا آغاز کیا)۔ عروہ کہتے تھے:

مجھے بتایا گیا ہے کہ عبد اللہ بن اُبَیّ کے پاس اس قسم کی بات چیت ہوتی تو وہ اسے صحیح قرار دیتا اور کان لگا کر سنتا اور کھود کھود کر پوچھتا اور (اسی سند سے) عروہ نے یہ بھی کہا: بہتان باندھنے والوں میں سے اور کسی کا نام نہیں لیا گیا سوائے حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ اور حمنہ بنت جحش کے۔ اسی طرح کچھ اور لوگوں کا بھی جن کا مجھے علم نہیں مگر وہ ایک ٹولی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس کا سرغنہ عبد اللہ بن اُبَیّ بن سلول تھا۔۔۔

حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں: ہم مدینہ میں پہنچے تو میں ایک مہینہ بیمار رہی اور لوگ افک والوں کے بہتان کی بابت اندھا دھند باتیں بناتے رہے۔ میں اس سے متعلق کوئی علم نہیں رکھتی تھی اور جو بات مجھے اپنی بیماری میں پریشان کرتی وہ یہ تھی کہ میں رسول اللہ ﷺ سے وہ مہربانی جو اپنی بیماری کی حالت میں دیکھا کرتی تھی، نہیں دیکھتی۔ رسول اللہ ﷺ میرے پاس یوں ہی آتے پھر سلام کرتے اور فرماتے: یہ کیسی ہے اور پھر چلے جاتے۔ سو یہ بات مجھے پریشان کرتی۔ اس وقت تک مجھے کسی شر کا علم نہیں ہوا تھا یہاں تک کہ جب مجھے بیماری سے افاقہ ہوا تو میں (قضائے حاجت کے لئے) باہر نکلی اور اُمّ مسطح کے ساتھ مَیں مناصع کی طرف گئی اور یہ ہمارے بول و براز کی جگہ تھی اور ہم رات ہی کو نکلا کرتی تھیں اور یہ اس وقت سے پہلے کی بات ہے کہ ہم نے اپنے گھروں کے قریب بیت الخلاء بنائے۔ کہتی تھیں: اور قضائے حاجت میں ہماری حالت بھی ان عربوں کی سی تھی جو بیابان میں رہا کرتے تھے اور ہم بیت الخلاء سے تکلیف محسوس کرتے تھے کہ وہ اپنے گھروں کے قریب بنائیں۔ کہتی تھیں: میں اور اُمّ مسطح گئیں اور یہ ابورُہم بن مطلب بن عبد مناف کی بیٹی تھیں اور ان کی ماں صخر بن عامر کی بیٹی تھیں جو حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خالہ تھیں اور ان کا بیٹا مسطح بن اثاثہ بن عباد بن مطلب تھا۔ جب میں اور مسطح کی ماں اپنی حاجت سے فارغ ہو کر گھر کی طرف آرہے تھے، اتنے میں مسطح کی ماں اپنی اوڑھنی میں اُلجھ کر گر پڑیں اور بولیں: مسطح کا بُرا ہو۔ میں نے ان سے کہا: کیا ہی بُرا کلمہ ہے جو تم نے کہا ہے؟ کیا ایسے آدمی کو بُرا کہتی ہو جو بدر میں شریک ہوا تھا؟

کہنے لگیں: اے بھولی بھالی! ابھی تم نے سنا نہیں جو اُس نے کہا ہے؟ میں نے کہا: کیا کہا ہے؟ چنانچہ مسطح کی ماں نے افک والوں کا قصہ مجھے بتایا۔ کہتی تھیں: میری بیماری اور بڑھ گئی۔ جب میں اپنے گھر میں واپس آئی تو رسول اللہ ﷺ میرے پاس آئے، سلام کیا اور پوچھا: یہ کیسی ہے؟ میں نے آپؐ سے کہا: کیا آپؐ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں اپنے ماں باپ کے پاس چلی جاؤں؟ کہتی تھیں: اور میں چاہتی تھی کہ جا کر اُن سے کچھ پتہ کروں۔ کہتی تھیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اجازت دے دی۔

میں نے اپنی ماں سے کہا: لوگ کیا باتیں کر رہے ہیں؟ کہنے لگیں: بیٹی معمولی بات ہے پروانہ کرو۔ اللہ کی قسم! بہت ہی کم ہوا ہے کہ کبھی کوئی خوبصورت عورت کسی شخص کے پاس ہو جس سے وہ محبت رکھتا ہو، اس کی سوکنیں بھی ہوں اور وہ اس کے متعلق بہت کچھ نہ کہتی ہوں۔ حضرت عائشہؓ کہتی تھیں: میں نے کہا: سبحان اللہ! کیا بہتان تک نوبت پہنچ گئی ہے کہ لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں؟ کہتی تھیں: میں ساری رات صبح تک روتی رہی۔ میرے آنسو تھمتے ہی نہ تھے اور نہ مجھے نیند آتی تھی اور اس کے بعد صبح کو بھی روتی رہی۔

کہتی تھیں: جب وحی رُک گئی تو رسول اللہ ﷺ نے علی بن ابی طالبؓ اور اسامہ بن زیدؓ کو بلایا۔ ان سے اپنی اہلیہ (حضرت عائشہؓ) کو چھوڑنے کے بارے میں مشورہ کرنے لگے۔ اسامہؓ نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے علم کے مطابق وہ مشورہ دیا جو آپؐ کی اہلیہ کو تہمت سے بَری ٹھہرانے والا تھا اور اسامہ نے کہا: وہ آپؐ کی زوجہ ہیں اور ہم ان میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتے اور علیؓ نے کہا: اللہ نے آپؐ پر کوئی تنگی نہیں کی۔ عورتیں اس کے سوا بہت ہیں اور خادمہ (بریرہؓ) سے پوچھئے، آپؐ سے سچ کہے گی۔ کہتی تھیں: رسول اللہ ﷺ نے بریرہؓ کو بلایا۔ آپؐ نے پوچھا: بریرہؓ! کیا تم نے کوئی ایسی بات دیکھی ہے جو تمہیں شک میں ڈالتی ہو؟ بریرہؓ کہنے لگی: اس ذات کی قسم ہے جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں نے اُن کی کبھی کوئی ایسی بات نہیں دیکھی جس کو میں معیوب سمجھتی

ہوں سوا اس کے کہ وہ کم عمر لڑکی ہیں، اپنے گھر والوں کا گوندھا ہوا آٹا چھوڑ کر سو جاتی ہیں، گھر کی بکری آتی ہے اور اس کو کھا جاتی ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں: یہ سن کر رسول اللہ ﷺ اسی دن لوگوں سے مخاطب ہوئے۔ آپؐ نے عبداللہ بن اُبَیّ سے بیزاری کا اظہار فرمایا اور آپؐ اس وقت منبر پر تھے۔ فرمایا: مسلمانوں کی جماعت! ایسے شخص کے متعلق کون میرا اِنصاف کرے گا؟ جس کے بارے میں مجھے اطلاع ملی ہے کہ اس نے میری اہلیہ کو دُکھ دیا ہے۔ اللہ کی قسم! مجھے اپنی اہلیہ سے متعلق یہی علم ہے کہ وہ اچھی ہے اور میں اپنی اہلیہ میں بھلائی ہی دیکھتا ہوں اور انہوں نے (الزام میں) ایسے شخص کا ذکر کیا ہے جس کے متعلق مجھے بھی علم ہے کہ وہ اچھا ہے اور میرے گھر والوں کے پاس میرے ساتھ ہی جایا کرتا تھا۔

یہ سنتے ہی سعد بن معاذؓ جو بنی عبد الاشہل میں سے تھے، کھڑے ہوگئے۔ کہنے لگے: یارسول اللہ! میں آپؐ کا انصاف کروں گا۔ اگر وہ اَوس سے ہوا، اُس کی گردن اڑادوں گا اور اگر ہمارے بھائیوں خزرج سے ہوا تو جو حکم آپؐ دیں گے ہم بجالائیں گے۔ کہتی تھیں: یہ سن کر خزرج سے ایک شخص اُٹھا اور حسانؓ کی ماں اسی گود سے اس کی چچازاد بہن تھی اور وہ سعد بن عبادہؓ سردار خزرج تھے۔ حضرت عائشہؓ کہتی تھیں کہ وہ اس سے پہلے اچھے آدمی تھے لیکن قومی پچ نے اُن کو اُکسایا۔ وہ سعدؓ سے کہنے لگے: اللہ کی قسم! تم نے غلط کہا ہے۔ تم اس کو نہیں مار سکو گے اور نہ قتل کر سکتے ہو۔ اگر وہ تمہاری قوم سے ہوتا تو تم کبھی پسند نہ کرتے کہ مارا جائے۔

یہ سن کر اُسَید بن حُضَیرؓ کھڑے ہوئے اور وہ سعد (بن معاذؓ) کے چچازاد بھائی تھے۔ انہوں نے سعد بن عبادہؓ سے کہا: تم نے غلط کہا ہے۔ اللہ کی قسم! ہم اسے ضرور ماریں گے، تم منافق ہو، منافقوں کی طرف سے جھگڑتے ہو۔ کہتی تھیں: اس پر دونوں قبیلے اوس اور خزرج بھڑک اُٹھے۔ یہاں تک کہ

وہ لڑنے کے لئے آمادہ ہوگئے اور رسول اللہ ﷺ منبر پر کھڑے تھے۔ کہتی تھیں: رسول اللہ ﷺ ان کے جوشوں کو دباتے رہے۔ آخر وہ چپ ہوگئے اور آپؐ بھی خاموش ہو رہے۔

فرماتی تھیں: میں تو سارادِن روتی رہی۔ میرے آنسو تھمتے نہ تھے اور نہ مجھے نیند آتی۔ کہتی تھیں: میرے ماں باپ بھی میرے پاس رہے اور میں دوراتیں اور ایک دن تنہائی میں روتی رہی، نہ میرے آنسو تھمتے تھے اور نہ مجھے نیند آتی تھی یہاں تک کہ مجھے خیال ہوا کہ یہ رونا میرے جگر کو پھاڑ دے گا۔ اس اثناء میں کہ میرے ماں باپ میرے پاس بیٹھے تھے اور میں رو رہی تھی ایک انصاری عورت نے میرے پاس آنے کی اجازت چاہی۔ میں نے اسے اجازت دی۔ وہ بیٹھ گئی اور میرے ساتھ رونے لگی۔ کہتی تھیں: ابھی ہم اس حالت میں تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آگئے۔ آپؐ نے السلام علیکم کہا اور بیٹھ گئے۔ کہتی تھیں: جب سے کہ بہتان باندھا گیا تھا کبھی میرے پاس نہیں بیٹھے تھے اور آپؐ ایک مہینہ تک انتظار کرتے رہے مگر آپؐ کو میرے معاملہ کی نسبت کوئی وحی نہ ہوئی۔ کہتی تھیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیٹھے، کلمہ شہادت پڑھا۔ پھر فرمایا: عائشہ! دیکھو تمہارے متعلق یہ یہ بات پہنچی ہے۔

سو اگر تم (اس الزام سے) بری ہو تو اللہ ضرور تمہیں بری کرے گا اور اگر تم سے کوئی لغزش ہوگئی ہو تو اللہ سے استغفار کرو اور اسی کی طرف متوجہ ہو کیونکہ بندہ جب خطا کا اِقرار کرتا ہے اور رجوع کرتا ہے تو اللہ بھی اس پر مہربانی کرتا ہے۔ کہتی تھیں: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بات کر چکے۔ میرے آنسو یکایک ایسے بند ہوگئے کہ میں آنسو کا ایک قطرہ بھی محسوس نہ کرتی تھی۔ میں نے اپنے باپ سے کہا: آپ کو جو انہوں نے فرمایا ہے میری طرف سے جواب دیں۔ میرے باپ نے کہا: اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا کہوں؟ میں نے اپنی ماں سے کہا: آپؐ ہی رسول اللہ ﷺ کو اس کا جواب دیں جو آپؐ نے فرمایا ہے۔ میری ماں کہنے لگیں: اللہ کی قسم! میں نہیں جانتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا کہوں؟ اور میں اس وقت کم عمر

لڑکی تھی، قرآنِ مجید زیادہ نہیں جانتی تھی۔ پھر میں نے کہا: اللہ کی قسم! مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ آپ لوگوں نے ایسی بات سنی ہے یہاں تک کہ وہ آپ کے دلوں میں گڑ گئی ہے اور آپ نے اس کو سچا سمجھ لیا ہے، اس لئے اگر میں آپ سے کہوں کہ میں بَری الذمہ ہوں تو آپ میری تصدیق نہیں کریں گے اور اگر میں آپ سے کسی بات کا اقرار کرلوں اور اللہ جانتا ہے کہ میں اس سے بَری ہوں تو آپ مجھے سچا سمجھ لیں گے۔ اللہ کی قسم! میں اپنے اور آپ کے لئے یوسفؑ کے والد کی مثال کے سوا اور کوئی مثال نہیں سمجھتی۔ انہوں نے کہا: صبر کرنا ہی اچھا ہے اور اللہ ہی سے مدد مانگی جاسکتی ہے، اُن باتوں میں جو تم بیان کرتے ہو۔ پھر میں ایک طرف ہو گئی اور بستر پر لیٹ گئی اور اللہ جانتا ہے کہ میں اس وقت بَری تھی اور اللہ کو میری پاک دامنی کا اظہار کرنا ہی تھا لیکن اللہ کی قسم! مجھے یہ خیال نہ تھا کہ اللہ میرے لئے وحی نازل کرے گا جس کی تلاوت کی جائے گی۔

میری اپنی حیثیت میرے نزدیک اس سے کم تھی کہ اللہ تعالیٰ میری نسبت کلام کرتا لیکن میں یہ اُمید رکھتی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی خواب دیکھیں کہ جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مجھے بَری قرار دے۔ اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بیٹھنے کی جگہ سے نہیں سِرکے اور نہ گھر والوں میں سے کوئی نکلا تھا کہ اتنے میں آپؐ پر وحی نازل ہوئی اور وہ بوجھل کیفیت ہونے لگی جو آپؐ کو ہوا کرتی تھی یہاں تک کہ بوجہ اس کلام کے جو آپؐ پر نازل کیا گیا، آپؐ کے جسم سے پسینہ موتیوں کی طرح ٹپکنے لگا حالانکہ وہ سردی کا دن تھا۔

کہتی تھیں: پھر وہ حالت چلی گئی اور آپؐ مسکرا رہے تھے۔ پہلی بات جو آپؐ نے کہی وہ یہ تھی۔ عائشہ! اللہ نے تو تجھے بَری کر دیا ہے۔ کہتی تھیں: میری ماں مجھے کہنے لگیں: اُٹھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ۔ میں نے کہا: نہیں۔ اللہ کی قسم! میں تو ان کے پاس نہیں جاؤں گی کیونکہ میں اللہ عزوجل کے سوا کسی کا شکریہ ادا نہیں کروں گی۔ کہتی تھیں: اللہ نے یہ آیات نازل کیں: اِنَّ

الَّذِيۡنَ جَآءُوۡ بِالۡاِفۡكِ عُصۡبَةٌ مِّنۡكُمۡ کہ یقیناً وہ لوگ جو جھوٹ گھڑ لائے تم ہی میں سے ایک گروہ ہے۔ دس آیتوں تک اور اللہ تعالیٰ نے یہ وحی میری بریت میں اُتاری۔ سورۃ نور کی ان دس آیات کا ترجمہ یہ ہے:

"یقیناً وہ لوگ جو جھوٹ گھڑ لائے تم ہی میں سے ایک گروہ ہے اس (معاملہ) کو اپنے حق میں بُرا نہ سمجھو بلکہ وہ تمہارے لئے بہتر ہے ان میں سے ہر شخص کے لئے ہے جو اُس نے گناہ کمایا جبکہ ان میں سے وہ جو اس کے بیشتر کا ذمہ دار ہے اس کے لئے بہت بڑا عذاب (مقدر) ہے (12) ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے اُسے سنا تو مومن مرد اور مومن عورتیں اپنوں کے متعلق حُسنِ ظن کرتے اور کہتے کہ یہ کھلا کھلا بہتان ہے (13) کیوں نہ وہ اس بارہ میں چار گواہ لے آئے پس جب وہ گواہ نہیں لائے تو وہی ہیں جو اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں (14) اور اگر دنیا اور آخرت میں تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتے تو اس (فتنہ) کے نتیجہ میں جس میں تم پڑ گئے تھے ضرور تمہیں ایک بہت بڑا عذاب آلیتا (15) جب تم اُس (جھوٹ) کو اپنی زبانوں پر لیتے تھے اور اپنے مونہوں سے وہ کہتے تھے جس کا تمہیں کوئی علم نہیں تھا اور تم اس کو معمولی بات سمجھتے تھے حالانکہ اللہ کے نزدیک وہ بہت بڑی تھی (16) اور ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے اسے سُنا تو تم کہہ دیتے ہمیں کوئی حق نہیں کہ ہم اس معاملے میں زبان کھولیں پاک ہے تُو (اے اللہ!) یہ تو ایک بہت بڑا بہتان ہے (17) اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے مبادا تم آئندہ کبھی ایسی بات کا اِعادہ کرو، اگر تم مومن ہو (18) اور اللہ تمہارے لئے آیات کھول کھول کر بیان کرتا ہے اور اللہ دائمی علم رکھنے والا (اور) بہت حکمت والا ہے (19) یقیناً وہ لوگ جو پسند کرتے ہیں کہ ان لوگوں میں جو ایمان لائے بے حیائی پھیل جائے اُن کے لئے دردناک عذاب ہوگا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور اللہ جانتا ہے جبکہ تم نہیں جانتے (20) اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتے اور یہ کہ اللہ یقیناً بہت مہربان (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے (تو تم میں بے حیائی پھیل جاتی) (21) حضرت ابو بکر صدیقؓ نے

کہااور وہ مسطح بن اثاثہ کو بوجہ قرابت و محتاجی خرچ دیا کرتے تھے، اللہ کی قسم! میں مسطح کو عائشہؓ پر اِفتراء کرنے کی وجہ سے خرچ نہیں دوں گا تو اللہ تعالیٰ نے یہ وحی نازل کی :وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ اور تم میں سے صاحب فضیلت اور صاحب توفیق اپنے قریبیوں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہ دینے کی قسم نہ کھائیں۔ پس چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور در گزر کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں بخش دے اور اللہ بہت بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔"

(ترجمہ سورۃ النور آیت نمبر12 تا21)

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے کہا: اللہ کی قسم! میں یہ چاہتا ہوں کہ اللہ میرے گناہوں کی پردہ پوشی کرے اور در گزر فرمائے۔ چنانچہ وہ مسطح کو بدستور خرچ دینے لگے اور کہا: اللہ کی قسم! میں اس خرچ میں سے اس کو کبھی محروم نہیں کروں گا۔

حضرت عائشہؓ کہتی تھیں: رسول اللہ ﷺ نے زینب بنت جحشؓ سے بھی میرے متعلق پوچھا تھا۔ زینبؓ سے کہا: تمہیں کیا علم ہے ؟ یا (فرمایا:) تمہاری کیا رائے ہے ؟ وہ کہنے لگیں: یارسول اللہ! میں اپنی شنوائی اور بینائی محفوظ رکھوں گی۔ اللہ کی قسم! سوائے بھلائی کے مجھے کچھ علم نہیں۔ حضرت عائشہؓ کہتی تھیں: یہی وہ تھیں جو نبی ﷺ کی ازواج میں سے میری برابری کیا کرتی تھیں مگر اللہ نے تقویٰ کی وجہ سے انہیں بچائے رکھا۔ کہتی تھیں: اور ان کی بہن حمنہ ان کی خاطر لڑنے لگ جایا کرتی تھی اور وہ ان لوگوں کے ساتھ جو ہلاک ہوئے، ہلاک ہو گئی۔

ابن شہاب کہتے تھے: یہ وہ حدیث ہے جو مجھے ان لوگوں کی روایتوں سے پہنچی ہے۔ پھر عروہ نے یہ بھی کہا: حضرت عائشہؓ کہتی تھیں: اللہ کی قسم! اور وہ شخص جس کے متعلق بہتان باندھا گیا ہے، وہ

کہتا تھا: سبحان اللہ، اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں نے کبھی کسی عورت کے پہلو کو برہنہ نہیں کیا۔ کہتی تھیں: پھر اس کے بعد وہ اللہ کی راہ میں شہید ہو گیا۔

(صحیح بخاری کتاب المغازی باب حدیث الافک)

ہماری ماں حضرت عائشہؓ سیدۃ المعصومات کی یہ دردناک سچی کہانی پڑھ کر کسی بھی صاحب دل کی آنکھیں اشکبار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتیں اور کوئی صاحب بصیرت ایسا نہیں جو اس سے نصیحت اور کئی سبق حاصل نہ کر سکے مثلاً یہی سبق کہ اللہ تعالیٰ نے اس شر انگیز واقعہ افک کے بارہ میں فرمایا کہ ”اس سانحہ کو اپنے لیے موجب شر نہ سمجھو بلکہ یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔“ بلاشبہ انجام کے لحاظ سے تو یہ بہتر تھا ہی مگر اس سے کیا سبق حاصل ہوئے؟ اس کی تفصیل کا یہ مضمون متحمل نہیں ہو سکتا۔ آئندہ نشست میں اس موضوع پر بات ہو گی۔ ان شاء اللہ

(روزنامہ الفضل آن لائن لندن 21 جنوری 2022ء)

(قسط 2)

واقعہ افک میں مومنوں کے لیے سبق

واقعہ افک کے پس منظر کے گزشتہ مضمون میں اس سے حاصل ہونیوالے سبق کا مختصر ذکر تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس واقعہ میں مومنوں کے لئے گہرے معاشرتی، اخلاقی اور قانونی سبق موجود ہیں۔ جن کا سورۃ نور میں بالعموم اور واقعہ افک پر نازل ہونے والی آیات میں بالخصوص ذکر ہے۔

پہلا سبق

اس واقعہ کے قرآنی نام ''افك'' میں (جس کے معنے جھوٹ تراشنے کے ہیں) یہ ہے کہ خلاف حقیقت الزام لگانیوالوں کو قرآن کریم نے ہمیشہ کے لیے جھوٹوں کا خطاب دے دیا(النور :14)اور ان کی گواہی اسلامی معاشرہ میں ہمیشہ کے لیے ناقابل قبول ٹھہرادی گئی۔ (النور:5)

دوسرا سبق

واقعہ افک کے قومی ابتلاء میں (جس نے مسلمانان اہل مدینہ پر ایک زلزلہ طاری کر دیا) یہ تھا کہ یہ آزمائش مسلمانوں کو اپنے لیے موجب شرّ خیال نہیں کرنی چاہیے بلکہ یہ ان کے لیے بہتر ہے۔ ظاہر ہے یہ خیر ایک تو نیک انجام کے لحاظ سے تو تھی ہی، آئندہ کے لیے اسلامی معاشرہ کو پاک رکھنے کے لیے معصوموں کے دفاع کے اصول وضوابط اس واقعہ کے نتیجہ میں تعلیم ہوئے جس کے لیے ہماری ماں حضرت عائشہؓ نے ایک طویل ذہنی اذیت قبول کرتے ہوئے بڑی جذباتی قربانی دی اور اس ابتلاء میں کمال برداشت، حوصلہ اور استقامت کا نمونہ دکھایا جس کے نتیجہ میں نہ صرف وہ خدا کے فضلوں کی وارث ہوئیں بلکہ ان کا پورا گھرانہ خدا کی رحمتوں اور فضلوں کا مورد ہوا اور حضرت عائشہؓ کے بزرگ والد صدیق اکبرؓ کو منافقوں کے علی الرغم خلافت کی ردا پہنائی گئی۔

تیسرا سبق

اس واقعہ میں تیسرا بنیادی سبق یہ ہے کہ کسی پاک دامن عورت یا مرد پر بلا ثبوت بدکاری کا الزام لگانا ایک قابل سزا جرم ہے۔ ثبوت الزام کے لیے کم از کم چار مسلمان دیانت دار گواہ ضروری ہیں۔ اگر الزام لگانے والے ایسے گواہ پیش نہ کر سکیں تو ان کے لیے اسّی کوڑے کی سزا مقرر کی گئی۔ (النور:5)

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ پر الزام لگانے والے بعض صحابہ اور صحابیات پر یہ حدّ قذف جاری ہوئی جن میں حسان بن ثابت، حمنہ بنت جحش اور مسطح بن اثاثہ تھے۔ عبد اللہ بن ابی سردار منافقین کو اس موقع پر ان تینوں کے ساتھ حد قذف جاری کرنے کا ذکر بخاری میں نہیں ہے۔ س پر بعض علماء کا خیال ہے کہ اسے اس لیے سزا نہیں دی گئی کہ اس کے لیے عذاب عظیم کی وعید ہے۔

تاہم صحاح ستہ کے علاوہ بعض دیگر روایات اور کتب تاریخ میں عبد اللہ بن ابی پر بھی حد قذف جاری کرنے کا ذکر ہے۔ جسے حضرت مصلح موعودؓ نے بھی قبول فرمایا ہے۔

(بحوالہ سیرۃ الحلبیہ جزء2 صفحہ 318، تفسیر کبیر سورۃ نور صفحہ 327)

چوتھا سبق

اس واقعہ میں یہ ہے کہ ایسی اخلاقی الزام تراشی کے حل کے لیے ''لعان'' کا اصول ہمیشہ کے لیے بیان فرما دیا گیا یعنی الزام لگانے والے میاں بیوی کے پاس ثبوت نہ ہو تو وہ قسم کھا کر اپنی چار حلفیہ گواہیوں کے ساتھ پانچویں مرتبہ لعنۃ اللہ علی الکاذبین کہہ دے اور مدّ مقابل اگر اقرار نہ کرے تو سزا سے بچنے کے لیے وہ مدعی کے جھوٹا ہونے کی چار گواہیاں دے کر پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اگر اسکے خلاف یہ الزام درست ہو تو اس پر اللہ کا غضب ہو۔(النور 7 تا 10)

ہر چند کہ ان آیات میں شوہر کے بیوی پر الزام کی صورت میں لعان کا یہ اصول مذکور ہے تاہم ایسی بعض صورتوں میں حضرت مسیح موعودؑ نے یہی اصول ایسے مردوں یا عورتوں پر بھی قیاس کرنے کا استنباط فرمایا ہے جن پر ایسا الزام ہو کہ وہ لعنت ڈال کر مؤکد بعذاب قسم سے اس جرم یا الزام سے بری ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ خط کشیدہ جملہ سے ظاہر ہے۔ حضورؑ سورۃ نور کی آیت 8 کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''اسلام میں لعنت اللہ علی الکاذبین کہنا ایک بد دُعا ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ جو شخص کاذب ہے وہ خدا کی رحمت سے نومید ہو اور اُس کے قہر کے نیچے آجائے۔ اِسی لئے قرآن شریف میں **ایسے مردوں یا ایسی عورتوں کے لئے جن پر مجرم ہونے کا شبہ ہو** اور اُن پر اَور کوئی گواہ نہ ہو

جس کی گواہی سے سزا دی جائے۔ ایسی قسم رکھی ہے جو مؤکّد بہ لعنت ہوتا اِس کا نتیجہ وہ ہو جو گواہ کے بیان کا نتیجہ ہوتا ہے یعنی سزا اور قہر الٰہی۔ منہ"

(نزول المسیح صفحہ 75 طبع اول روحانی خزائن جلد 18)

یہاں ضمناً زنا بالجبر کے الزام کی صورت میں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ وہ الزام وقوعہ کے کتنے عرصہ بعد کا ہے۔ یہ مسئلہ **مجلس افتاء میں بھی تفصیل سے زیر غور آچکا ہے جس کی یہ رپورٹ 23 اپریل 1998ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی خدمت میں پیش ہوئی کہ**

"عورت کو حتی الامکان جلد از جلد حکام کو اس زیادتی سے مطلع کرنا چاہیے لیکن اگر کسی مجبوری یا بدنامی کے خوف کی وجہ سے وہ اس میں تاخیر کرتی ہے تو اس وجہ سے اس کی سماعت کو رد نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن اگر اس عرصہ میں بعض ثبوت ضائع ہوتے ہیں تو اس کا نقصان مدعیہ کو ہی ہوگا اور اس کی ذمہ دار وہ خود ہی ہے۔ تاہم عدالت کے فرائض میں یہ شامل ہونا چاہیے کہ وہ اس تاخیر کی وجوہ کو زیر غور لا کر فیصلہ کرے۔"

مجلس کی اس رپورٹ پر حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے ارشاد فرمایا:

"رپورٹ میں تاخیر کی وجہ سے سماعت کو ردّ کیوں نہیں کیا جاسکتا۔ ایسے معاملات میں تو رسول اللہ ﷺ نے فوراً قدم اٹھایا ہے اور تاخیر کے اندر تو توبہ بھی ہو جاتی ہے۔ تاخیر کے ساتھ جب وہ شکایت کا فیصلہ کرتی ہے تو گزشتہ کسی حوالے کا حق اسے نہیں ہونا چاہیے۔ زیادتی کرنے والے کو

منع کرنے کے باوجود اگر وہ آخری وقت بھی کرتا ہے تو صرف اس کی شکایت کرے تا کہ اسے فوری شکایت سمجھا جائے۔ ورنہ کیا پتہ دونوں باہمی رضامندی سے کیا کچھ کرتے رہے ہیں۔"

(ارشاد حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ مورخہ 7 مئی 1998ء)

پانچواں سبق

واقعہ افک سے پانچواں سبق بدظنی سے بچنے اور مومن بھائیوں سے حسن ظن کرنے کا حاصل ہوتا ہے جو معاشرے کی پاکیزگی وطہارت اور قیام امن کے لیے ایک نہایت اہم خلق ہے۔ جیسا کہ سورۃ النور میں بیان ہے کہ جب مومنوں نے واقعہ افک والا الزام سنا تو یہ کیوں نہ ہوا کہ تمام مومن مرد اور عورتیں اپنے ان افراد پر حسن ظن کرتے ہوئے یہ کہہ کر اسے ردّ کر دیتے کہ یہ ایک کھلا کھلا جھوٹ ہے (النور:13) اور اگلی آیت میں مزید تاکید بلکہ تاسف کے انداز میں فرمایا کہ یہ کیوں نہ ہوا کہ سب مومن یہ کہتے کہ ہمارے لیے اس الزام کا زبان پر لانا ہرگز مناسب نہیں۔ اے اللہ! تو پاک ہے یہ تو ایک بہتان عظیم ہے۔ (النور:17)

چھٹا سبق

اس واقعہ کا یہ ہے کہ جس بات کا مکمل علم نہ ہو، اسے آگے ہرگز بیان نہیں کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "تمہارے نزدیک یہ چھوٹی بات تھی مگر اللہ کے نزدیک بہت بڑی تھی۔" (النور:16)

ساتواں سبق اس واقعہ سے یہ ملتا ہے کہ ایسے بے بنیاد الزامات معاشرہ میں اشاعت فاحشہ کا موجب اور بہت بڑا جرم ہیں کیونکہ اس کے نتیجے میں نیکی کا رعب کم اور بدی کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور

معاشرہ بدامنی کا شکار ہوتا ہے۔اس لیے ایسے الزام تراشوں کی سزا دونوں جہانوں کا عذاب ہے۔اس دنیامیں بھی دردناک عذاب ہے اور آخرت میں بھی۔

آٹھواں سبق

واقعہ افک کا آٹھواِں سبق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل اور رحمت کے نتیجہ میں اس واقعہ کے بداثرات سے مسلمانوں کو محفوظ رکھا اور اس شرّ کو خیر سے بدل دیا۔ الزام لگانیوالے سزائیں پاکر توبہ تائب ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل اور رحمت ورأفت کے نتیجہ میں ان کی توبہ قبول فرمائی (النور:11) پھر آئندہ ایسے واقعات کے راستے بند کرنے کے لیے جو اصول مقرر فرمادیئے۔ یہ بھی اس کے فضل و رحم کا ہی نتیجہ تھا۔(النور:20) اور قبول توبہ کے بعد مسطح جیسے ضرورت مندوں کا امدادی وظیفہ بحال کرنے کے لیے صدیق اکبرؓ جیسے صاحب فضل کو نصیحت کی گئی کہ ایسے نادان رشتہ داروں سے ازراہ انسانی ہمدردی عفو درگذر اور احسان کا سلوک جاری رکھیں۔

حضرت صاحبزادہ مرزابشیر احمد صاحبؓ واقعہ افک سے مستنبط ہونے والے قانونی اصولوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اول ہر انسان کے متعلق اصل قیاس عصمت وعفت کا ہونا چاہیے۔یعنی یہ کہ ہر انسان عفیف سمجھا جانا چاہیے۔ جب تک اس کی عصمت وعفت کے خلاف کوئی یقینی اور قطعی ثبوت موجود نہ ہو۔

دوسرے یہ کہ انسان کی عزت و آبرو ایک نہایت ہی قیمتی چیز ہے جس کی حفاظت دنیا کی تمام دوسری چیزوں سے زیادہ ضروری ہے۔

تیسرے یہ کہ فحشاء کا چرچا بدی کے رعب کو مٹاتا اور سوسائٹی کے اخلاق کو تباہ کر دیتا ہے۔ اس لئے اس کا سدباب ہونا ضروری ہے۔

چوتھے یہ کہ جہاں یہ نہایت ضروری ہے کہ زنا کا جرم عبرتناک سزا پائے۔ وہاں یہ بھی نہایت ضروری ہے کہ جھوٹا الزام لگانے والا بغیر سخت سزا کے نہ چھوڑا جاوے۔۔۔

جھوٹا الزام لگانے والے کی سزا کا سوال بعض سادہ مزاج انسانوں کے لئے قابل اعتراض ہو سکتا ہے کہ ایسی سخت سزا کیوں تجویز کی گئی ہے۔ سو اس کی حقیقت یہ ہے کہ دراصل اس معاملہ میں کسی پر جھوٹا اتہام باندھنا ایک نہایت خطرناک اور ضرر رساں فعل ہے کیونکہ اس میں ایک بے گناہ انسان کی سب سے زیادہ قیمتی چیز پر ناجائز اور مفتریانہ حملہ ہونے کے علاوہ سوسائٹی کے اخلاق پر بھی ایک نہایت گندہ اثر پیدا ہوتا ہے اور وہ اس طرح پر کہ جب اس قسم کی باتوں کے متعلق کسی سوسائٹی میں میں آزادانہ چرچا ہو گا تو لازماً زنا کی بدی کا رعب طبائع سے کم ہونے لگے گا اور کمزور طبیعتیں گندے خیالات کی طرف مائل ہونے لگیں گی اور ملک اور قوم کی اخلاقی فضا زہر آلود ہو جائے گی۔ پس ضروری تھا کہ اس معاملہ میں جھوٹے الزام لگانے والوں کے واسطے سخت سزا تجویز کی جاتی تا کہ سوائے سچے آدمی کے کسی کو اس قسم کے الزام لگانے کی جرات نہ پیدا ہو اور صرف وہی شخص اتہام لگانے میں آگے آسکے جو واقعی اپنے پاس یقینی ثبوت رکھتا ہو اور اگر کسی کو یہ شبہ گزرے کہ اسلام نے اس معاملے میں ثبوت کے متعلق ناواجب سختی سے کام لیا ہے یعنی چار چشم دید گواہوں کو ضروری قرار دیکر ثبوت کے قیام کو بہت ہی مشکل بنا دیا ہے تو یہ ایک عامیانہ شبہ ہو گا۔ جب ہر جرم کے ثبوت کے لئے لیے کوئی نہ کوئی تسلی بخش طریقِ ثبوت مقرر کیا جانا ضروری ہوتا

ہے۔ تو پھے ایک ایسے الزام کے ثبوت کے لیے جس میں انسان کی سب سے زیادہ قیمتی چیز پر حملہ ہو اور جس کے غلط اور جھوٹے استعمال سے سوسائٹی کے امن و امان اور قوم کے اخلاق و عادات پر ایک سخت خطرناک اور گندہ اثر پڑتا ہو ایک نہایت زبردست اور یقینی طریق ثبوت کیوں نہ مقرر کیا جاتا ہے۔ خصوصاً جبکہ دنیا بھر میں قانون سازی کا یہ ایک مسلم اصول ہے کہ کسی بے گناہ کے کے مجرم قرار پا جانے سے یہ بہت بہتر ہوتا ہے کہ ایک مجرم بے گناہ سمجھا جاوے۔‘‘

(سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت مرزا بشیر احمد ایم اے صفحہ 568 تا 570)

(روزنامہ الفضل آن لائن لندن 22 جنوری 2022ء)



ابو مصور خان کے مضمون





(قسط 1)

واقعہ افک-تاریخ کے آئینہ میں

مدینہ سے آٹھ منزل کی دوری پر ایک قبیلہ بنو مصطلق آباد تھا۔ جس کے سردار کا نام حارث بن ضرار تھا اور یہ قبیلہ مسلسل قریش کے ساتھ مل کر مدینہ اور مدینہ کے مسلمانوں کے خلاف سازشیں کر رہا تھا اور جنگوں میں قریش کی حمایت میں رہتا تھا۔ 6 ہجری میں یہ اطلاعات جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملیں کہ یہ قبیلہ مدینہ پر لشکر کشی کی تیاری کر رہا ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک لشکر لے کر شعبان 6 ہجری میں بنو مصطلق کی خبر لینے کے لئے روانہ ہوئے۔ اس غزوہ کو غزوۂ بنو مصطلق کہا جاتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خبر سن کر بنو مصطلق کا سردار تو اپنے ساتھیوں سمیت بھاگ گیا لیکن اس قبیلے کے قریب پہنچ کر مریسیع کے چشمہ پر مسلمانوں کا مقابلہ ایک پارٹی نے کیا جس میں دشمنوں کے 10 افراد مارے گئے اور سات سو کے قریب قیدی ہوئے، اس کے علاوہ بہت سے مال مویشی کے طور پر جو مال غنیمت ہاتھ آیا۔ اسی چشمہ کے نام کی وجہ سے اس غزوہ کو غزوۂ مریسیع بھی کہا جاتا ہے۔

جنگ کے اعتبار سے تو یہ مختصر سی جنگ سمجھی جاتی ہے۔ لیکن اس مہم میں بعض ایسے اہم ترین واقعات ہوئے کہ جو اسلامی تاریخ کے نمایاں ترین اور ہمیشہ یادر کھے جانے والے واقعات کی فہرست میں شمار ہونے لگے۔

آیت تیمم بھی اسی سفر میں نازل ہوئی۔ (علامہ ابن حجر فتح الباری کتاب التیمم میں یہی بیان فرماتے ہیں) پھر اسی غزوہ کے نتیجہ میں قبیلہ بنو مصطلق کے سردار کی بیٹی حضرت جویریہؓ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی ہوئی اور ساراقبیلہ بعد میں مسلمان بھی ہو گیا۔ لیکن اسی سفر کے دو اور ایسے واقعات ہیں کہ جو منافقین کی کھلم کھلا سرگرمیوں پر روشنی ڈالتے ہیں۔

دراصل اس مہم میں منافقین کی ایک بہت بڑی تعداد شامل ہوئی تھی اور شاید ہی اس سے پہلے یا اس کے بعد اتنی تعداد میں منافق کسی مہم میں شامل ہوئے ہوں۔ اس سے پہلے جنگ اُحد میں جب مسلمانوں کا ایک ہزار کا لشکر مدینہ سے کفار کا مقابلہ کرنے کے لئے نکلا تو راستے سے ہی منافقین کا سردار عبد اللہ بن ابی سلول اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ اس لشکر سے واپس لوٹ آیا اور یوں ایک ہزار کی بجائے سات سو کا لشکر رہ گیا اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ منافقین ایک منصوبہ بندی کے تحت شاملِ لشکر ہوئے تھے اور مقصد یہ تھا کہ اس طرح سے جب اچانک راستہ میں الگ ہوں گے تو باقی مسلمانوں کا دل بیٹھ جائے گا اور شاید وہ دوسرے مسلمانوں کے حوصلے پست کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ منافقین کا سارا زور اسی طرح کی سازشوں میں صرف ہوتا رہتا تھا کہ وہ کیا کیا طریق ہو سکتے ہیں کہ خاص طور پر مدینہ والوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بد ظن کیا جائے اور ایسے حالات پیدا کئے جائیں کہ اہل مدینہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین صحابہ سے منہ موڑ لیں اور یہ لوگ مدینہ سے چلے جائیں۔ کیونکہ عبد اللہ بن ابی وہ شخص تھا کہ جس کو مدینہ کا والی اور بادشاہ بنائے جانے کا فیصلہ ہو چکا تھا یہاں تک کہ بادشاہی کا تاج اس کے سر پر رکھنے کی تمام ترتیاریاں مکمل ہو چکی تھیں کہ حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف

لے آئے اور جس کے نتیجہ میں اہل مدینہ کے رخ اس رُخِ انور کی طرف متوجہ ہو گئے اور روحانی سربراہی کے ساتھ ساتھ انتظامی سربراہی اور بادشاہی بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہو گئی اور عبد اللہ بن ابی سلول کا بادشاہی کا تاج سر پر سجانے کا خواب چکنا چور ہو گیا اور یہ وہ حسد تھا، حسد کی وہ آگ تھی کہ جو اندر ہی اندر اس کو کھا رہی تھی اور اسی آگ میں وہ تمام لوگوں کو جلا کر راکھ کرنا چاہتا تھا۔ غزوہ بنو مصطلق کی مہم کا یہ سفر اس کی سازشوں کا گویا عروج تھا۔

اسی سفر کے دوران ایک چشمہ پر دو مسلمانوں، ایک مہاجر اور ایک انصاری کی باہم تکرار ہو گئی اور اسی تکرار میں دونوں نے اپنے اپنے ساتھیوں کو آواز دی۔ عبد اللہ بن ابی کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو عبد اللہ بن ابی نے اس موقعہ پر بھی حسب عادت خوب بھڑاس نکالی اور مہاجر مسلمانوں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں بہت ہی گھٹیا اور غلیظ اور گندی زبان استعمال کی اور یہ کہنے لگا کہ تم لوگوں کو مہاجرین اور نبی اکرمؐ پر کچھ بھی خرچ نہیں کرنا چاہیے۔ تمہی نے ان سب کو سر پر چڑھا رکھا ہے۔ اب بہت ہو گئی اب ناقابل برداشت ہو گیا سب کچھ، اب مدینہ پہنچ لیں مجھے ہی سب کرنا ہو گا اور یہ بھی کہا کہ مدینہ کا سب سے معزز شخص یعنی اپنے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ مدینہ کا سب سے معزز شخص مدینہ کے سب سے ذلیل ترین شخص یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ سے نکال باہر کرے گا۔ (نعوذباللّٰہ، نعوذباللّٰہ، نعوذباللّٰہ) اور بھی کئی سخت کلمات کہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ ساری بات پہنچی تو آپؐ نے علاوہ دوسرے پر حکمت انتظامی فیصلوں کے عبد اللہ بن ابی سلول کو بھی طلب فرما کر پوچھا کہ اس نے اس اس طرح کی باتیں کی ہیں تو وہ صاف مکر گیا بلکہ حلفیہ بیان دیا کہ ایسی کوئی بات اُس نے کی ہی نہیں۔ بہر حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کمال حکمت سے اس موقعہ پر اس تمام بگڑی ہوئی صورت حال کو کنٹرول کیا اور فوری طور پر وہاں سے روانگی کا اعلان فرماتے ہوئے سفر شروع کر دیا اور ساری رات اور سارا دن مسلسل سفر جاری رہا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عموماً نہ تو اس وقت سفر شروع فرماتے تھے اور نہ

ہی ساری رات اور سارا دن مسلسل سفر فرمایا کرتے تھے لیکن اس موقعہ پر آپؐ نے خلاف معمول یہ کام کیا۔ اس کی باقی تفصیلات کو چھوڑتے ہوئے اسی سفر کے ایک دوسرے اہم ترین واقعہ کی طرف چلتے ہیں جو آج کے مضمون کا عنوان ہے اور وہ ہے واقعہ ٔافک۔

واقعہ افک کی تفصیل

اسی سفر سے واپسی پر کہ جب قافلہ ایک منزل پر پڑاؤ کئے ہوئے تھا۔ روانگی سے قبل جب لوگ اپنی ضروریات سے فارغ ہو کر روانہ ہونے کی تیاریوں میں مصروف تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی اپنی ضرورت سے فارغ ہو کر واپس آ رہی تھیں کہ انہیں معلوم ہوا کہ ان کے گلے میں پڑا ہوا ایک ہار جو کہ وہ اپنی بہن حضرت اسماءؓ سے عاریۃً مانگ کر لائی تھیں وہ کہیں راستہ میں گر گیا ہے۔ یہ ظفار نامی بستی کا بنا ہوا کسی خوشبودار لکڑی کے منکوں کا ہار تھا۔ حضرت عائشہؓ ہار کی تلاش میں دوبارہ نکل پڑیں۔ اسی تلاش کے بعد جب واپس تشریف لائیں تو قافلہ روانہ ہو چکا تھا۔ قافلے منہ اندھیرے ہی نکل پڑتے تھے اور قافلہ سواروں کو حضرت عائشہؓ کے نہ ہونے کا احساس اس لئے بھی نہ ہو سکا کہ ہودج اٹھانے والوں نے آپؓ کا ہودج اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا۔ حضرت عائشہؓ خود بیان فرماتی ہیں کہ آپؓ بہت دبلی پتلی اور ہلکے وزن کی تھیں اور ان لوگوں کو یہ احساس ہی نہ ہو سکا کہ میں اس کے اندر نہیں ہوں۔ بہر حال جیسا کہ طریق تھا لشکر کی روانگی کے بعد ایک بہادر اور شجاع صحابی حضرت صفوان بن معطلؓ کو پیچھے رکھا گیا تا کہ قافلہ والوں کی رہ جانے والی اشیاء کو اکٹھا کریں اور دن چڑھنے کے بعد ساری کھوج کے بعد پھر روانہ ہوں۔ بنو خزرج کے یہ صحابی 5 ہجری میں اسلام لائے تھے اور نیکی اور تقویٰ میں بہت نمایاں ہوئے۔ بہادری اور شجاعت میں بھی نمایاں شمار ہوتے تھے۔ یہ قافلے کی پڑاؤ کی جگہ پر گھومتے ہوئے جب ایک جگہ پہنچے تو وہاں حضرت عائشہؓ کو سوئے ہوئے دیکھا۔ حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ جب وہ واپس قافلے کی جگہ

پر پہنچیں اور قافلہ کی روانگی کا علم ہوا تو وہ وہیں ایک جگہ ٹیک لگا کر بیٹھ گئیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجھے نہ پائیں گے تو میری تلاش میں لوگ بھیجیں گے اور مجھے وہ یہیں اسی جگہ پر پا لیں گے۔ لہذا میں وہیں بیٹھ گئی اور بیٹھے بیٹھے آنکھ لگ گئی۔ بہر حال جب حضرت صفوانؓ نے انہیں سوئے ہوئے دیکھا تو زور سے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ کہا۔ اب نہ جانے اس وجہ سے کہ خدانخواستہ زندہ نہ ہونے کا خیال آیا یا زیادہ قرین قیاس یہی ہے کہ متنبہ کرنے کے لئے اونچی آواز سے یہ جملہ بولا ہو گا کہ تا حضرت عائشہؓ بیدار ہو جائیں۔ حضرت صفوانؓ نے حضرت عائشہؓ کو اپنے اونٹ پر بٹھایا اور انہیں لے کر قافلے تک پہنچ گئے۔ اوپر ذکر ہو چکا ہے منافقین کے ٹولے اور ان کے سرغنہ کا کہ کس طرح وہ گِدھوں کی طرح تاڑ میں رہتے تھے۔ انہوں نے جب حضرت عائشہؓ کی گمشدگی کا سنا اور بعد میں ان کے ساتھ واپس آتے ہوئے دیکھا تو ان کے گندے ذہنوں نے وہ جھوٹ تراشا کہ شاید شیطان کے وہم و گمان میں بھی نہ آسکتا تھا۔ ان منافقوں نے الزامات اور تہمت لگانے اور اس کا چرچا کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ ہر چند کہ مومنوں کی اکثریت نے اس الزام پر کان نہ دھرے بلکہ بات کرنا بھی روا نہ رکھا۔ جیسا کہ ایک روایت میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے بارہ میں آتا ہے کہ وہ دونوں میاں بیوی آپس میں بات کر رہے تھے اور جب حضرت ابو ایوبؓ کی بیوی نے اس افواہ کا ذکر کیا کہ لوگ جو باتیں بنا رہے ہیں ان کی کیا حقیقت ہے تو حضرت ابو ایوبؓ جو کہ ایک فدائی عاشق رسول تھے اور ہجرت مدینہ کے موقعہ پر انہیں میزبان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کی سعادت نصیب ہو چکی تھی، انہوں نے اپنی بیوی کو بہت ہی سادہ لیکن دلنشین انداز میں اس فتنہ سے آگاہ کرتے ہوئے سمجھایا۔ ابو ایوبؓ اپنی بیوی کو کہنے لگے کہ اے ام ایوب! کیا تم ویسا فعل کر سکتی ہو جیسے فعل کی بات پھیلائی جا رہی ہے تو وہ کہنے لگیں کہ کبھی بھی نہیں۔ تو حضرت ابو ایوبؓ کہنے لگے کہ جب تم اپنے بارہ میں ایسا کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تو

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کے بارہ میں کیسے سوچ لیا جائے جو کہ تم سے ہزار درجے نیک اور متقی ہیں۔ اس لئے یہ ساری بات ہے ہی سراسر جھوٹ۔

(سیرت ابن ہشام، الاکتفاء)

اس لئے اکثریت تو ایسے ہی متقی اور پرہیز گاروں کی تھی لیکن منافقین کا پراپیگنڈہ ایسا پُرزور تھا کہ منافق تو منافق کچھ ایسے لوگ بھی ہاں میں ہاں ملانے لگے کہ کیا ممکن ہے کہ ایسا ہی ہو۔۔۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو یہ ساری باتیں سن رہے تھے اس تکلیف دہ صورت حال پر کمال صبر و تحمل اور ضبط کا مظاہرہ فرمارہے تھے۔ آپؐ کی سیرت کے بے شمار پہلو ہیں جو ان تاریک گھڑیوں میں ہیروں کی طرح چمکتے ہوئے سامنے آتے ہیں۔ یہ وہ وقت تھا کہ شاید مدینہ کے لوگ آپس میں ہی ایک دوسرے کو کاٹ کرر کھ دیتے۔ منافقین اور الزام لگانے والوں کی گردنیں کاٹ کرر کھ دیتے۔ حضرت صفوانؓ جو کہ ایک جنگجو بہادر تھے انہیں جب معلوم ہوا کہ منافق تو چلو تھے ہی اب حضرت حسانؓ جیسے مخلص صحابی بھی اس الزام میں شامل ہوگئے ہیں تو وہ آپے سے باہر ہوگئے اور تلوار لے کر ان پر جھپٹے اور انہیں زخمی کر دیا۔

(اسد الغابہ زیر لفظ صفوان بن معطل)

حضرت عائشہؓ جو کہ "المؤمنات الغافلات" کے مصداق معصومہ شہزادی کی صورت میں نظر آتی ہیں۔ ایسی پاکدامن اور معصوم کہ انہیں خبر تک نہیں۔ ایک مہینہ اس سانحہ پر گزر جاتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خیرکم خیرکم لاھلہٖ کے مصداق اپنے گھر والوں کے ساتھ اتنے شفیق اور نرم دل، اتنے کریم اور رؤوف رحیم کہ اپنی اس بیوی کو محسوس تک نہیں ہونے دیا کہ تمہارے بارہ میں کس قدر بھیانک الزامات لگائے جارہے ہیں اور باہر کیا شور پڑا ہوا ہے۔ صرف

اسی ایک واقعہ کو سامنے رکھا جائے اور اس نیک فطرت اور پاک و معصوم، بلکہ نیکوں کے سردار اور معصوموں کے راج دلاروں کے جوڑے کی سیرت بیان کی جائے تو دفتر درکار ہوں گے۔ ایک ماہ گزرنے کے بعد جب اتفاقاً ایک عورت سے بات سنی تو حضرت عائشہؓ کو علم ہوا اور یہ علم ہوتے ہی حضرت عائشہؓ پر تو جیسے ایک قیامت گزر گئی۔ تب انہیں یہ بھی احساس ہوا کہ اب میں سمجھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اتنے خاموش خاموش کیوں تھے۔۔۔ بہر حال وہ نبی اکرمؐ سے اجازت لے کر اپنے والدین کے گھر آئیں۔

حضرت عائشہؓ کے والدین کا قابل رشک کردار

واقعہ افک کے بیان میں بہت کم سیرت نگار ہیں جنہوں نے حضرت عائشہؓ کے نیک فطرت اور عاشق رسولؐ ماں باپ کے کردار کو نمایاں کیا ہو۔ جب کہ بہت ہی اہم کردار ہمیں نظر آتا ہے۔ کیونکہ یہ وہ مواقع ہوتے ہیں کہ بعض اوقات بڑے بڑے مخلص اور معقول لوگ بھی لڑکھڑا جایا کرتے ہیں۔ یہاں اپنی بیٹی تھی جس پر بہت ہی گھناؤنا الزام لگایا گیا تھا۔ لیکن یہ دونوں بھی انتہائی صابر اور تحمل و برداشت کے گویا مجسمے بنے ہوئے نظر آتے ہیں اور اس وقت بھی ان کی نگاہیں ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لگی ہوئی ہیں۔ انہیں گویا کوئی فکر ہی نہیں کہ ہماری بیٹی لٹ گئی، تباہ ہو گئی، برباد ہو گئی یا خدانخواستہ کیا ہو گیا۔ ایک ماں باپ سے زیادہ اپنی بچی کو اور کون جانتا ہے اور ماں باپ بھی ایسے صاحب فراست۔ صرف اسی ایک بات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس ہولناک واقعہ پر ایک مہینہ گزر جاتا ہے۔ لیکن نہ ماں اور نہ باپ، کوئی بھی اپنی بیٹی کی طرف اس کے گھر اس کی خبر لینے نہیں آتا۔ اس کو حوصلہ دینے بھی نہیں آتا۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ ہماری اس ننھی سی معصوم جان پر کتنے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں۔ ان کے جگر کا ٹکڑا تھی وہ، آخر کیا وجہ تھی۔ یقیناً یہی ایک وجہ تھی کہ وہ سب کچھ نثار کر چکے تھے خدا اور اس کے رسولؐ پر، ان کے لئے ان کی

ساری تکلیفیں، سارے دکھ بہت ہی چھوٹے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے سامنے، وہ ہر دکھ اور سکھ کی گھڑی میں صرف اور صرف ایک ہی چہرہ دیکھنا جانتے تھے اور وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ تھا۔ یہ لوگ رسول اللہ ؐ کے ہم و غم کے سامنے اپنے سارے دکھ بھول چکے تھے۔ یہ کمال درجے کا عشق تھا اور ادب تھا کہ جو وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ رسول کریمؐ کو چھوڑ کر، ان سے آگے قدم بڑھا کر اپنی بیٹی کا سوچیں گے۔

عجیب تھا عشق اس دل میں محبت ہو تو ایسی ہو

وہ اپنا سب کچھ رسولؐ کی خدمت میں دینے کے بعد مطمئن تھے کہ وہ جو بھی سوچیں گے، جو بھی کریں گے وہ ہم سب کے لئے بہتر بلکہ بہترین ہو گا اور یہی وجہ ہے کہ اس ایک مہینے کے بعد جب روتی ہوئی یہ معصوم جان، حضرت عائشہؓ اپنے ماں باپ کے گھر داخل ہوئی ہے اور رونے کی آواز سن کر بالا خانے سے حضرت ابو بکرؓ نیچے آئے ہیں تو انہوں نے بھرائی ہوئی آواز میں اپنی پیاری بیٹی سے صرف ایک جملہ کہا ہے کہ بیٹی تجھے خدا کی قسم ہے کہ واپس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر چلی جاؤ۔

(بخاری 4757)

سبحان اللہ! رسول کی محبت میں فنا کا مقام پانے والا یہ عجیب عاشق تھا۔

حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ جب میں نے اپنی ماں سے کہا کہ ماں! میرے متعلق تو مدینہ میں یہ یہ باتیں ہو رہی ہیں تو حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ جو میں نے سوچا تھا کہ میری ماں یا باپ کا کچھ رد عمل ہو گا اس میں سے کچھ بھی ایسا نہ ہوا اور مجھے مزید حیرت یہ ہوئی کہ انہیں پہلے سے ہی سب پتہ تھا۔ ہاں میری ماں نے صرف اتنا کہا کہ يَا بُنَيَّةُ هَوِّنِي عَلَيْكِ، فَوَاللّٰهِ لَقَلَّمَا كَانَتِ امْرَأَةٌ قَطُّ

وَضِیئَۃً عِنْدَ رَجُلٍ یُحِبُّھَا، لَھَا ضَرَائِرُ، إِلَّا کَثَّرْنَ عَلَیْھَا اے میری بچی! حوصلہ رکھو، بخدا! کم ہی ایسا ہوتا ہے کہ کسی شخص کی خوب صورت اور خوب سیرت بیوی ہو اور اس کی سوکنیں بھی ہوں اور پھر اس کے خلاف باتیں نہ بنائی جائیں۔

ایک گھناؤنی سازش

ماں بھی کیسی صابر اور صاحب فہم و فراست ماں تھی۔ عشق رسولؐ سے تولبریز تھی ہی، بات بھی کتنے پتے کی بتادی۔ کہ امام کا قرب پانے والوں کے لئے حاسدین ایسے حملے کیا ہی کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ گھرانہ بھی جو کہ نیک اور دانا گھرانہ تھا یہ جانتا تھا کہ بات کچھ اور ہے اور یہ ہے وہ اہم کڑی کہ جس کی طرف ہمارے سیرت نگار اور مفسرین و شارحین کی کم ہی نظر گئی ہے اور وہ یہ کہ یہ محض ایک الزام نہ تھا بلکہ ایک گھناؤنی سازش تھی۔ وہ سازش کیا تھی؟ حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے بصیرت افروز اقتباس کو دیکھتے ہیں۔ آپؓ بیان فرماتے ہیں:

”اب میں یہ بتاتا ہوں کہ پہلے چار رکوعوں کا باقی پانچ رکوعوں سے جن میں خلافت کا ذکر آتا ہے کیا تعلق ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ پہلے چار رکوعوں میں بدکاری کے الزامات کا ذکر اصل مقصود ہے اور اُن میں خصوصاً اس الزام کو رد کرنا مقصود ہے جو حضرت عائشہؓ سے کوئی دشمنی تھی۔ ایک گھر میں بیٹھی ہوئی عورت سے جس کا نہ سیاسیات سے کوئی تعلق ہو نہ قضاء سے۔ نہ عہدوں سے نہ اموال کی تقسیم سے نہ لڑائیوں سے۔ نہ مخالف اقوام پر چڑھائیوں سے نہ حکومت سے نہ اقتصادیات سے۔ اُس سے کسی نے کیا بُغض رکھنا ہے۔ پس حضرت عائشہؓ سے براہ راست بُغض کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ اس الزام کے بارہ میں دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو یہ کہ نعوذ باللہ یہ الزام سچا ہو جس کو کوئی مومن ایک لحہ کیلئے بھی تسلیم نہیں کر سکتا۔ خصوصاً اس صورت میں کہ اللہ تعالیٰ نے عرش پر سے اس گندے خیال کو رد کیا ہے اور دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ حضرت عائشہؓ پر

الزام بعض دوسرے وجودوں کو نقصان پہنچانے کیلئے لگایا گیا ہو۔ اب ہمیں غور کرنا چاہئے کہ وہ کون کون لوگ تھے جن کو بدنام منافقوں کیلئے یا اُن کے سرداروں کیلئے فائدہ بخش ہو سکتا تھا اور کن کن لوگوں سے اس ذریعہ سے منافق اپنی دشمنی نکال سکتے تھے۔ ایک ادنیٰ تدبیر سے بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرت عائشہؓ پر الزام لگا کر دو شخصوں سے دشمنی نکالی جا سکتی تھی۔ ایک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اور ایک حضرت ابو بکرؓ سے۔ کیونکہ ایک کی وہ بیوی تھیں اور ایک کی بیٹی تھیں۔ یہ دونوں وجود ایسے تھے کہ ان کی بدنامی سیاسی لحاظ سے یا دشمنیوں کے لحاظ سے بعض لوگوں کیلئے فائدہ بخش ہو سکتی تھی یا بعض لوگوں کی اغراض اُن کو بدنام کرنے کے ساتھ وابستہ تھیں۔ ورنہ خود حضرت عائشہؓ کی بدنامی سے کسی شخص کو کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی تھی۔ زیادہ سے زیادہ آپ سے سوتنوں کا تعلق ہو سکتا تھا اور یہ خیال ہو سکتا تھا کہ شائد حضرت عائشہؓ کی سوتنوں نے حضرت عائشہؓ کو رسول کریمؐ کی نظروں سے گرانے اور اپنی نیک نامی چاہنے کیلئے اس معاملہ میں کوئی حصہ لیا ہو۔ مگر تاریخ شاہد ہے کہ حضرت عائشہؓ کی سوتنوں نے اس معاملہ میں کوئی حصہ نہیں لیا بلکہ حضرت عائشہؓ کا اپنا بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں سے جس بیوی کو میں اپنا رقیب اور مد مقابل خیال کیا کرتی تھی وہ حضرت زینب بنت جحشؓ تھیں۔ ان کے علاوہ اور کسی بیوی کو میں اپنا رقیب خیال نہیں کرتی تھی مگر حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں زینبؓ کے اس احسان کو کبھی بھول نہیں سکتی کہ جب مجھ پر الزام لگایا گیا تو سب سے زیادہ زور سے اگر کوئی اس الزام کی تردید کیا کرتی تھیں تو وہ حضرت زینبؓ ہی تھی۔

(سیرۃ الحلبیہ جلد 2 صفحہ 310-316)

پس حضرت عائشہؓ سے اگر کسی کو دشمنی ہو سکتی تھی تو ان کی سوتنوں کو ہی ہو سکتی تھی اور وہ اگر چاہتیں تو اس میں حصہ لے سکتی تھیں تا حضرت عائشہؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں سے گِر جائیں اور اُن کی عزت بڑھ جائے۔ مگر تاریخ سے ثابت ہے کہ انہوں نے اس معاملہ میں کوئی

دخل نہیں دیا اور اگر کسی سے پوچھا گیا تو اس نے حضرت عائشہؓ کی تعریف ہی کی۔ غرض مردوں کی عورتوں سے دشمنی کی کوئی وجہ نہیں ہوتی۔ پس آپ پر الزام یا تو رسول کریمؐ کو جو مقام حاصل تھا وہ تو الزام لگانے والے کسی طرح چھین نہیں سکتے تھے۔ انہیں جس بات کا خطرہ تھا وہ یہ تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی وہ اپنی اغراض کو پورا کرنے سے محروم نہ رہ جائیں۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ آپ کے بعد خلیفہ ہونے کا اگر کوئی شخص اہل ہے تو وہ ابو بکرؓ ہی ہے۔ پس اس خطرہ کو بھانپتے ہوئے انہوں نے حضرت عائشہؓ پر الزام لگا دیا تا حضرت عائشہؓ رسول کریمؐ کی نگاہ میں گر جائیں اور اُن کے گر جانے کی وجہ سے حضرت ابو بکرؓ کو مسلمانوں میں جو مقام حاصل ہے وہ بھی جاتا رہے اور مسلمان آپؓ سے بد ظن ہو کر اس عقیدت کو ترک کر دیں جو انہیں آپؓ سے تھی اور اس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکرؓ کے خلیفہ ہونے کا دروازہ بالکل بند ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت عائشہؓ پر الزام لگنے کے واقعہ کے بعد خلافت کا بھی ذکر کیا۔ حدیثوں میں صریح طور پر ذکر آتا ہے کہ صحابہؓ آپس میں باتیں کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اگر کسی کا مقام ہے تو وہ ابو بکرؓ کا ہی مقام ہے۔ حدیثوں میں آتا ہے کہ رسول کریمؐ نے ایک دفعہ حضرت عائشہؓ سے کہا۔ اے عائشہؓ! میں چاہتا تھا کہ ابو بکرؓ کو اپنے بعد نامزد کر دوں مگر میں جانتا ہوں کہ اللہ اور مومن اسکے سوا اور کسی پر راضی نہیں ہونگے اس لئے میں کچھ نہیں کہتا۔ غرض صحابہؓ یہ یقینی طور پر سمجھتے تھے کہ رسول کریمؐ کے بعد اُن میں اگر کسی کا درجہ ہے تو ابو بکرؓ کا ہے اور وہی آپؐ کا خلیفہ بننے کے اہل ہیں۔ مکی زندگی تو ایسی تھی کہ اس میں حکومت اور اس کے نظام کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ لیکن مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کے بعد حکومت قائم ہو گئی اور طبعًا منافقوں کے دلوں میں یہ سوال پیدا ہونے لگا کہ آپؐ کے بعد کوئی خلیفہ ہو کر نظامِ اسلامی لمبا نہ ہو جائے اور ہم ہمیشہ کیلئے تباہ نہ ہو جائیں۔ کیونکہ آپؐ کے مدینہ میں تشریف لانے کی وجہ سے اُن کی کئی اُمیدیں باطل ہو گئی تھیں۔ تاریخوں سے ثابت ہے کہ مدینہ میں عربوں کے دو قبیلے اوس اور خزرج تھے اور

یہ ہمیشہ آپس میں لڑتے رہتے تھے اور قتل و خون ریزی کا بازار گرم رہتا تھا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ اس لڑائی کے نتیجہ میں ہمارے قبائل کا رعب مٹتا چلا جاتا ہے تو انہوں نے آپس میں صلح کی تجویز کی اور قرار دیا کہ ہم ایک دوسرے سے اتحاد کرلیں اور کسی ایک شخص کو اپنا بادشاہ بنالیں چنانچہ اوس اور خزرج نے آپس میں صلح کرلی اور فیصلہ ہوا کہ عبداللہ بن ابی ابن سلول کو مدینہ کا بادشاہ بنا دیا جائے۔ اس فیصلہ کے بعد انہوں نے تیاری بھی شروع کردی اور عبداللہ بن ابی ابن سلول کیلئے تاج بننے کا حکم دیدیا گیا۔ اتنے میں مدینہ کے کچھ حاجی مکہ سے واپس آئے اور انہوں نے بیان کیا کہ آخری زمانہ کا نبی مکہ میں ظاہر ہو گیا ہے اور ہم اُس کی بیعت کر آئے ہیں۔ اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ کے متعلق چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں اور چند دنوں کے بعد اور لوگوں نے بھی مکہ جاکر رسول کریمؐ کی بیعت کرلی اور پھر انہوں نے رسول کریمؐ سے درخواست کی کہ آپ ہماری تربیت اور تبلیغ کیلئے کوئی معلم ہمارے ساتھ بھیجیں۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابیؓ کو مبلغ بناکر بھیجا اور مدینہ کے بہت سے لوگ اسلام میں داخل ہو گئے۔ انہی دنوں چونکہ مکہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کو بہت تکالیف پہنچائی جارہی تھیں اس لئے اہل مدینہ نے آپؐ سے درخواست کی کہ آپؐ مدینہ تشریف لے آئیں۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ سمیت مدینہ ہجرت کرکے آگئے اور عبداللہ بن ابی ابن سلول کیلئے جو تاج تیار کروایا جارہا تھا وہ دھرے کا دھرا رہ گیا۔ کیونکہ جب انہیں دونوں جہانوں کا بادشاہ مل گیا تو انہیں کسی اور بادشاہ کی کیا ضرورت تھی۔ عبداللہ بن ابی ابن سلول نے جب یہ دیکھا کہ اس کی بادشاہت کے تمام امکانات جاتے رہے ہیں تو اسے سخت غصہ آیا اور گو وہ بظاہر مسلمانوں میں مل گیا مگر ہمیشہ اسلام میں رخنے ڈالتا رہتا تھا اور چونکہ اب وہ اور کچھ نہیں کر سکتا تھا اس لئے اس کے دل میں اگر کوئی خواہش پیدا ہو سکتی تھی تو یہی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوں تو میں مدینہ کا بادشاہ بنوں لیکن خدا تعالیٰ نے اس کے اس ارادہ میں بھی اسے زک دی کیونکہ اس کا اپنا بیٹا بہت مخلص تھا۔ جس کے معنے یہ تھے کہ اگر وہ بادشاہ ہو بھی جاتا تو

اس کے بعد حکومت پھر اسلام کے پاس آجاتی اس کے علاوہ خدا تعالیٰ نے اُسے اس رنگ میں بھی زک دی کہ مسلمانوں میں جونہی ایک نیا نظام قائم ہوا انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف سوالات کرنے شروع کر دئے کہ اسلامی حکومت کا کیا طریق ہے۔ آپ کے بعد اسلام کا کیا بنے گا اور اس بارہ میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے۔ عبداللہ بن ابی ابن سلول نے جب یہ حالت دیکھی تو اُسے خوف پیدا ہونے لگا کہ اب اسلام کی حکومت ایسے رنگ میں قائم ہو گی کہ اُس میں اس کا کوئی حصہ نہ ہو گا اور وہ ان حالات کو روکنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس کے لئے جب اس نے غور کیا تو اُسے نظر آیا کہ اگر اسلامی حکومت کو اسلامی اصول پر کوئی شخص قائم کر سکتا ہے تو وہ ابو بکرؓ ہے اور رسول کریمؐ کے بعد مسلمانوں کی نظریں انہی کی طرف اٹھتی ہیں اور وہ اُسے تمام لوگوں سے معزز سمجھتے ہیں۔ پس اُس نے اپنی خیر اسی میں دیکھی کہ انکو بدنام کر دیا جائے اور لوگوں کی نظروں سے گرا دیا جائے بلکہ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ سے بھی آپکو گرا دیا جائے اور اس بدنیتی کے پورا کرنے کا موقع اُسے حضرت عائشہؓ کے ایک جنگ میں پیچھے رہ جانے کے واقعہ سے مل گیا اور اس خبیث نے آپؓ پر ایک نہایت گندا الزام لگا دیا جو قرآن کریم میں تو اشارۃً بیان کیا گیا ہے لیکن حدیثوں میں اس کی تفصیل آتی ہے۔ عبداللہ بن ابی ابن سلول کی اس سے غرض یہ تھی کہ اس طرح حضرت ابو بکرؓ ان لوگوں کی نظروں میں بھی ذلیل ہو جائیں گے اور آپ کے تعلقات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی خراب ہو جائیں گے اور اس نظام کے قائم ہونے میں رخنہ پڑ جائیگا جس کا قائم ہونا اُسے یقینی نظر آتا تھا اور جس کے قائم ہونے سے اسکی اُمیدیں برباد ہو جاتی تھیں ......چونکہ منافق اپنی موت کو ہمیشہ دُور سمجھتا ہے اور وہ دوسروں کی موت کے متعلق اندازے لگاتا رہتا ہے۔ اس لئے عبداللہ بن ابی ابن سلول بھی اپنی موت کو دُور سمجھتا تھا اور وہ نہیں جانتا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی وہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرے گا۔ وہ یہ قیاس آرائیاں کرتا رہتا تھا کہ رسول کریمؐ فوت ہوں تو میں عرب کا بادشاہ بنوں۔ لیکن اب اُس نے دیکھا کہ ابو بکرؓ کی نیکی اور تقویٰ اور بڑائی مسلمانوں میں تسلیم کی جاتی ہے۔ جب رسول کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھانے تشریف نہیں لاتے تو ابو بکرؓ آپ کی جگہ نماز پڑھاتے ہیں۔ رسول کریمؐ سے کوئی فتویٰ پوچھتے ہیں یہ دیکھ کر عبد اللہ بن ابی ابن سلول کو جو آئندہ کی بادشاہت ملنے کی اُمیدیں لگائے بیٹھا تھا سخت فکر لگا اور اُس نے چاہا کہ اس کا ازالہ کرے۔ چنانچہ اسی امر کا ازالہ کرنے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی شہرت اور آپ کی عظمت کو مسلمانوں کی نگاہوں سے گرانے کیلئے اُس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر الزام لگا دیا تا حضرت عائشہؓ پر الزام لگنے کی وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہؓ سے نفرت پیدا ہو اور حضرت عائشہؓ سے رسول کریمؐ کی نفرت کا یہ نتیجہ نکلے کہ حضرت ابو بکرؓ کو رسول کریمؐ اور مسلمانوں کی نگاہوں میں جو اعزاز حاصل ہے وہ کم ہو جائے اور اُن کے آئندہ خلیفہ بننے کا کوئی امکان نہ رہے چنانچہ اسی امر کا اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ذکر کرتا ہے اور فرماتا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ کہ وہ لوگ جنہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر اتہام لگایا ہے وہ تم لوگوں میں سے ہی مسلمان کہلانے والا ایک جتھا ہے۔ مگر فرماتا ہے لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ تم پر خیال مت کرو کہ یہ الزام کوئی برا نتیجہ پیدا کرے گا بلکہ یہ الزام بھی تمہاری بہتری اور ترقی کا موجب ہو جائیگا چنانچہ لو اب ہم خلافت کے متعلق اصول بھی بیان کر دیتے ہیں اور تم کو یہ بھی بتا دیتے ہیں کہ یہ منافق زور مار کر دیکھ لیں یہ ناکام رہیں گے اور ہم خلافت کو قائم کر کے چھوڑیں گے کیونکہ خلافت نبوت کا ایک جزو ہے اور الٰہی نور کے محفوظ رکھنے کا ایک ذریعہ ہے...... اس الزام کا ذکر کرنے اور عبد اللہ بن ابی ابن سلول کی اس شرارت کو بیان کرنے کے بعد کہ اُس نے خلافت میں رخنہ اندازی کرنے کیلئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر الزام لگایا تھا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِىْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّىٌّ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے مگر اس کے نور کو مکمل کرنیکا ذریعہ نبوت ہے اور اُس کے بعد اس کو دنیا میں پھیلانے اور اُسے زیادہ سے زیادہ عرصہ تک قائم رکھنے کا اگر کوئی ذریعہ ہے تو وہ

خلافت ہی ہے۔ گویا نبوت ایک چمنی ہے جو اس کو آندھیوں سے محفوظ رکھتی ہے اور خلافت ایک ری فلیکٹر ہے جو اس کے نور کو دُور تک پھیلاتا ہے۔ پس ان منافقوں کی تدبیروں کی وجہ سے ہم اس عظیم الشان ذریعہ کو تباہ نہیں ہونے دیں گے بلکہ اپنے نور کو دیر تک دنیا میں قائم رکھنے کیلئے اس سامان کا مہیا کریں گے۔ اس بات کا مزید ثبوت کہ اس آیت میں جس نور کا ذکر ہے وہ نور خلافت ہی ہے اس سے اگلی آیتوں میں ملتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ اس سوال کا جواب دیتا ہے کہ یہ نور کہاں ہے۔ فرماتا ہے فِیۡ بُیُوۡتٍ یہ نور خلافت چند گھروں میں پایا جاتا ہے۔ نورِ نبوت تو صرف ایک گھر میں تھا مگر نورِ خلافت ایک گھر میں نہیں بلکہ فِیۡ بُیُوۡتٍ چند گھروں میں ہے۔ پھر فرماتا ہے اَذِنَ اللّٰہُ اَنۡ تُرۡفَعَ وہ گھر ابھی چھوٹے سمجھے جاتے ہیں مگر خدا تعالیٰ نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ وہ ان گھروں کو اونچا کرے کیونکہ نبوت کے بعد خلافت اس خاندان کو بھی اونچا کر دیتی ہے جس میں سے کوئی شخص منصب خلافت حاصل کرتا ہے۔ اس آیت نے بتادیا کہ اس جگہ اللہ تعالیٰ کا مقصد نور خلافت کو بیان کرنا ہے اور یہ بتانا مد نظر ہے کہ نورِ خلافت نورِ نبوت اور نورِ الوہیت کے ساتھ کلی طور پر وابستہ ہے اور اس کو مٹانا دوسرے دونوں نوروں کو مٹانا ہے پس ہم اسے مٹنے نہیں دیں گے اور اس نور کو ہم کئی گھروں کے ذریعہ سے ظاہر کریں گے تا نورِ نبوت کا زمانہ اور اس کے ذریعہ سے نورِ الٰہیہ کے ظہور کا زمانہ لمبا ہو جائے۔“

(تفسیر کبیر جلد 6 صفحہ 324-329)

(روزنامہ الفضل آن لائن لندن 26 اکتوبر 2022ء)

(قسط2)

واقعہ ٔافک-تاریخ کے آئینہ میں

واقعہ ٔافک اور اس سے ملنے والے سبق

قرآن کریم نے جب اس واقعہ کا ذکر کیا تو کچھ اصولی باتیں بیان فرمائیں۔ مثلاً:

1. معاشرے میں اس طرح کی برائیوں کے سد باب کے لئے قوانین و ضوابط نازل ہوئے۔
2. ایک بات یہ بتائی کہ منافقین کی طرف سے جو ہنگامہ برپا کیا گیا تھا ہر چند کہ ایک تکلیف دہ گھڑی تھی لیکن لَا تَحۡسَبُوۡہُ شَرًّا لَّکُمۡ ؕ بَلۡ ہُوَ خَیۡرٌ لَّکُمۡ انجام کار تمہارے لئے خیر وبرکت کا باعث ہی بنی۔
3. اور ایک بہت ہی بنیادی حکم اور تعلیم یہ دی کہ اس طرح کی جب بھی کوئی بات ہو تو مومن کا کام یہ ہے کہ وہ خیر اور بھلائی کی سوچ اپنے اندر پیدا کرے لَوۡلَاۤ اِذۡ سَمِعۡتُمُوۡہُ

ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا اور سب سے پہلا ردعمل یہ ہونا چاہیے هٰذَا اِفْكٌ مُّبِيْنٌ۔ یہ تو ایک جھوٹ اور اتہام ہی ہے۔

4. اور جو اس طرح کی بات کرنے والے ہیں یا الزام لگانے والے ہیں ان کو چاہیے کہ وہ چار گواہ لائے اور اگر گواہ نہیں لاتے تو وہ جھوٹے ہیں لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ

(النور :14)

یہاں الزام لگانے والوں کی ذمہ داری ٹھہرائی گئی ہے کہ تم نے اگر ایسا فعل قبیح دیکھا ہے تو اس کو لیکر ہوا نہ ہو جاؤ اور تشہیر کرتے رہو۔ بے شک تم نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے لیکن تمہارے لئے ضروری ہے کہ تمہارے علاوہ مزید چار اور لوگوں نے دیکھا ہو۔ جو گواہی دے سکیں اور اگر اتنے گواہ نہ ہوں تو خاموش رہنا تمہارے لئے بہتر ہے۔ کیونکہ وہ خدا، غفور رحیم ہے، توّاب ہے، اور علیم اور حکیم بھی ہے۔ سورۃ نور میں نازل ہونے والے احکامات میں اس نے اپنی ان صفات کا ذکر فرماتے ہوئے توجہ دلائی کہ خدا کی ان صفات کو سامنے رکھو اور اس نے قوانین بناتے وقت جو قاعدہ قانون بنایا ہے وہ زیادہ علم رکھنے والا ہے اور حکمتوں کو جاننے والا ہے۔ آخر کوئی تو وجہ اور حکمت ہوگی کہ قتل جیسے جرم کے لئے دو گواہ رکھے گئے اور بعض امور جیسے رضاعت وولادت میں تو ایک گواہی بھی کافی سمجھ لی جاتی ہے۔ لیکن زنا جیسے فعل کی سزا کے لئے چار گواہ رکھنے میں کوئی تو حکمت ہوگی اور اگر جو چار گواہ نہیں لاتا اور اپنے الزام کی تشہیر کرنا شروع کر دیتا ہے تو خدا ایسے لوگوں کو جھوٹا اور فاسق قرار دیتا ہے۔ اس لئے اس کے بنائے ہوئے قانون کے آگے سر تسلیم خم کرنا ہی بہتر ہے۔ ہاں میاں بیوی کا ایک استثنائی تعلق تھا اس لئے اس میں یہ جواز رکھا کہ اگر وہاں گواہ نہیں تو پھر میاں بیوی قسم کھائیں گے جس کو اصطلاح میں ''لعان'' کہا جاتا ہے لیکن یہ استثناء صرف اور صرف میاں بیوی کے لئے ہے۔ دوسروں کے لئے نہیں ہے۔ وہاں یا گواہ ہوں

گے یا خاموشی ہو گی وگرنہ قذف کی سزا کے طور پر 80 کوڑے لگیں گے اور خدا کی نظر میں اس کا جھوٹا اور فاسق ہونا الگ ہو گا اور ہمیشہ کے لئے کسی بھی قسم کی گواہی کے لئے نااہل قرار دیا جانا الگ ہو گا۔

حضرت مصلح موعودؓ قسم کے ضمن میں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"بعض لوگ یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ چونکہ یہاں یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ آیا ہے اس لئے جو واقع میں پاک دامن عورتیں ہوں اُن پر اتہام لگانے والے کیلئے سزا رکھی گئی ہے دوسروں کیلئے نہیں۔ حالانکہ اگر یہ درست ہو تو اس کا پتہ کون لگا سکے گا کہ جس پر الزام لگایا گیا ہے وہ فی الواقعہ پاک دامن ہے یا نہیں۔ ایک خبیث اور بے باک آدمی بڑی دلیری کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ جس عورت پر میں نے الزام لگایا ہے۔ پہلے اس کی پاکدامنی تو ثابت کرو۔ پھر مجھے سزا دو اور اس طرح ہر عورت کی عزت خطرہ میں پڑ سکتی ہے۔ پس اس کے یہ معنے نہیں کہ جب تک عورت کا پاک دامن ہونا ثابت نہ کیا جائے الزام لگانیوالے کو کوئی سزا نہیں مل سکتی بلکہ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ کے یہ معنے ہیں کہ ایسی عورتیں جن پر بدکاری کا الزام لگایا گیا ہو۔ اگر وہ الزام شہادت سے ثابت نہیں ہوتا تو خدا تعالیٰ کی نگاہ میں وہ یقینی طور پر پاکدامن ہیں اور الزام لگانے والا کذاب اور جھوٹا ہے اور اس بات کا مستحق ہے کہ اسے سزا دی جائے۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ بارِ ثبوت مدعی پر ہوتا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی فرمایا ہے چونکہ الزام لگانیوالا مدعی ہوتا ہے اس لئے ثبوت لانا بھی الزام لگانے والے کا ہی کام ہے۔ عورت کا یہ کام نہیں کہ وہ اپنی پاکدامنی کا ثبوت پیش کرے۔ اگر یہ معنی نہ کئے جائیں تو جو شخص الزام لگانیوالا ہو وہ کہہ سکتا ہے کہ اگرچہ میں اتہام کا ثبوت نہیں لا سکا مگر ہے وہ درست۔ ورنہ تم ثابت کرو کہ جس پر میں نے الزام لگایا ہے وہ محصنات میں سے ہے۔ بہر حال اتہام لگانے والا اگر شریعت کی بیان کردہ شرائط کے مطابق چار گواہ نہیں

لائیگا تو وہ مجرم ہو گا اور اگر لے آئیگا تو جس پر اتہام لگایا گیا ہو وہ مجرم ہو گا۔ چونکہ بعض لوگوں کے دلوں میں یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ کیونکہ قرآن کریم نے چار گواہوں کی شرط لگائی ہے اور کیوں دوسرے الزامات کی طرح صرف دو گواہوں پر کفایت نہیں کی اس لئے یہ بتانا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ دو کی بجائے چار گواہوں کی شرط لگانا بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس قسم کے واقعات میں کثرت سے جھوٹ بولا جاتا ہے پس اس وجہ سے زیادہ گواہوں کی شرط لگادی گئی ہے اور پھر ایک ہی واقعہ کے متعلق چار کی شرط اس لئے لگائی کہ ایک وقت میں پانچ آدمیوں کا اکٹھا ہونا یعنی الزام لگانے والے اور چار گواہوں کا۔ یہ ایک ایسا امر ہے کہ اس کا جھوٹ آسانی سے کھولا جا سکتا ہے اور جرح میں ایسے لوگ اپنے قدم پر نہیں ٹھہر سکتے۔ کیونکہ پانچ آدمیوں کا ایک جگہ پر موجود ہونا ایک ایسا واقعہ ہے جس کا اخفاء مشکل ہوتا ہے اور پانچ آدمی مل کر یہ جھوٹ بہت کم بنا سکتے ہیں کیونکہ اُن میں سے بعض کی نسبت یہ ثابت کرنا آسان ہوتا ہے کہ یہ تو اُس وقت فلاں جگہ پر بیٹھا تھا۔ پس چونکہ زنا ایک ایسا فعل ہے جس کے لئے بیرونی دلائل نہیں ہوتے جس طرح چوری میں پہلے کسی کے گھر سے مال کا نکلنا ضروری ہے پھر کسی شخص کے پاس اس کا موجود ہونا ضروری ہے یا قتل میں کسی کا جان سے مارا جانا ضروری ہے۔ پھر دوسرے شخص کا اُس جگہ موجود ہونا ضروری ہے اور ایسے شواہد کسی شخص کے متعلق جمع کر دینے اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہوتے ہیں۔ لیکن زنا کیلئے اس کی بیرونی علامات موجود نہیں ہوتیں اس لئے اس پر الزام لگانا آسان ہوتا ہے اس وجہ سے شریعت نے چوری اور قتل کیلئے تو دو گواہوں کی گواہی کو تسلیم کیا۔ لیکن بدکاری کے الزام کے متعلق چار گواہوں کی شرط لگائی اور الزام لگانے والوں سے ہمدردی کو بھی سخت جرم قرار دیا اور الزام سنتے ہی اس کو جھوٹا قرار دینے کی نصیحت کی۔

دوسری صورت انسان کے مجرم ہونے کی یہ ہے کہ وہ خود اقرار کرے۔ مگر حدیثوں سے پتہ لگتا ہے کہ وہ بھی قاضی کے سامنے اپنے متعلق چار دفعہ گواہی دیگا کہ میں نے ایسا فعل کیا ہے۔ مگر ایسی

صورت میں بھی شریعت صرف اسی کو مجرم قرار دیگی عورت کو مجرم قرار نہیں دیگی۔ بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ دوسرے کی نسبت الزام لگانا اور بات ہے اور اپنی نسبت الزام لگانا اور کہنا کہ میں نے ایسا فعل کیا ہے یا کسی عورت کا یہ کہنا کہ میرے ساتھ کسی دوسرے نے ایسا فعل کیا ہے بالکل اور بات ہے۔ یہ دونوں امور یکساں حیثیت رکھنے والے نہیں سمجھے جا سکتے بلکہ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ اپنی طرف اس الزام کی نسبت دینا کہنے والے کے تقویٰ اور اُس کی نیکی کا ثبوت ہوتا ہے۔ حالانکہ اپنی نسبت الزام لگانا تو الزام لگانے والے کی وقاحت اور بے شرمی پر دلالت کرتا ہے نہ کہ اس کے تقویٰ اور پاکیزگی پر۔ کیا یوسف علیہ السلام پر عزیز مصر کی بیوی نے اپنی ذات کے متعلق الزام نہیں لگایا تھا۔ پھر کیا اس سے زلیخا کے تقویٰ کا ثبوت ملتا ہے یا اس کی چالبازی اور مکاری کا ثبوت ملتا ہے۔ پھر اسی طرح ایک واقعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی ہوا۔ ایک شخص رسول کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے پاس آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! میں نے زنا کیا ہے اس پر آپ نے اس کو بلا کر اس کی پیٹھ پر ہاتھ نہیں پھیرا کہ شاباش تم نے کیسا اچھا فعل کیا ہے کہ اپنے جرم کا اقرار کیا ہے بلکہ آپؐ نے غصہ سے اُس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اُس شخص نے دوسری طرف سے جا کر پھر یہی کہا کہ یا رسول اللہ! میں نے زنا کیا ہے۔ لیکن پھر بھی آپؐ نے غصہ سے منہ پھیر لیا۔ پھر اس نے تیسری جانب سے جا کر کہا کہ یا رسول اللہ! میں نے زنا کیا ہے مگر آپؐ نے پھر بھی اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ جب چوتھی دفعہ اُس نے کہا کہ یا رسول اللہ! میں نے زنا کیا ہے تو آپؐ نے فرمایا کیا تو دیوانہ ہے۔ یعنی کسی طرح ممکن ہے کہ ایک انسان اپنی ہوش میں ایسی بات کہے جو تو کہہ رہا ہے۔ اُس نے کہا یا رسول اللہ! میں دیوانہ نہیں ہوں۔ تب آپؐ نے فرمایا چونکہ اس نے چار دفعہ اپنے جرم کا اقرار کیا ہے اس لئے اب اسے سزا دے دو۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کے اس اقدام کی تعریف نہیں کی بلکہ اسے دیوانگی کا فعل قرار دیا ہے اور دیوانگی کا شبہ تبھی ہو سکتا ہے جبکہ یہ سمجھا جائے کہ ایک انسان ہوش و حواس میں اپنے اوپر الزام نہیں لگا سکتا۔ ورنہ اگر یہ امکان نہ ہوتا تو آپ اُسے دیوانہ کیوں قرار دیتے۔ لیکن تعجب ہے کہ اس زمانہ میں

بعض لوگ اس کو فرزانگی کا فعل قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے اقرار کو دیوانگی اور بے حیائی قرار دیا ہے۔ بہر حال اس صورت میں بھی صرف اقرار کرنے والے کو ہی مجرم قرار دیا جائے گا۔ عورت کو مجرم قرار نہیں دیا جائیگا۔ عورت سے اگر اس کا نام معلوم ہو تو بغیر قسم کے صرف اتنا سوال کیا جائیگا کہ آیا یہ درست کہتا ہے یا غلط اور اگر وہ کہہ دے کہ غلط کہتا ہے تو عورت کو چھوڑ دیا جائیگا۔ یہ کتنی بڑی خوبی ہے جو اسلام کے اس حکم سے ظاہر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک ایسا شخص جو خود کوئی عزت نہیں رکھتا دوسروں کی عزت برباد کرنے کیلئے جھوٹا الزام لگا دے اور کہے کہ میں نے فلاں سے ایسا فعل کیا ہے۔ اُس کی اپنی عزت تو ہوتی نہیں کہ اس کی اسے پرواہ ہو لیکن دوسروں کو بدنام کر سکتا ہے اگر اس کی اجازت دی جاتی تو کئی شریر النفس لوگ روزانہ اُٹھ کر دوسروں پر الزام لگا دیتے اور جب انہیں ملامت کی جاتی تو کہہ دیتے کہ ملامت اور غصہ کی بات نہیں میں تو خود اپنے آپ کو بھی ملزم قرار دے رہا ہوں۔ پھر میری بات ماننے میں آپ کو کیا عذر ہے۔ اگر کسی شریف انسان سے ایک بدمعاش جا کر کہہ دے کہ اُس کی بیوی سے اُس نے زنا کیا ہے تو وہ آدمی اس پر ناراض ہو گا یا اُس کی نیکی اور تقویٰ کی تعریف کرنے لگ جائے گا اور اپنی بیوی کو بھی اس گناہ میں ملوث قرار دے گا۔ اس راستہ کو کھول کر دیکھو تو دنیا میں کسی شخص کی عزت محفوظ نہیں رہ سکتی کیونکہ دنیا میں ایسے ہزاروں بے حیا مل سکتے ہیں جو کسی بُغض یا غصہ کی وجہ سے یا دوسروں کے کہے کہلائے صرف ایک شغل کے طور پر اپنے ساتھ دوسرے مردوں یا عورتوں کے ملوث ہونے کا اقرار کرنے کیلئے تیار ہو جائیں گے۔ چنانچہ عرب میں تشبیب کا ایک عام رواج تھا یعنی وہ اپنی بے حیائی میں کسی عورت پر الزام لگا دیتے کہ میرا اس کے ساتھ ناجائز تعلق ہے اور ان کی غرض یہ نہیں ہوتی تھی کہ وہ اپنا تقویٰ ظاہر کریں بلکہ اس سے اُن کی غرض یہ ہوتی تھی کہ دوسری عورت کو بدنام کریں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تشبیب کرنے والے کو واجب القتل قرار دیا ہے۔ پس یہ طریق عقل کے بالکل خلاف ہے اور اس کی اجازت دینے سے فتنہ کا بڑا بھاری دروازہ کھل جاتا ہے۔ اسی لئے ہماری شریعت نے ایک فریق کے اقرار سے دوسرے فریق کو

مجرم قرار نہیں دیا۔ چنانچہ اس بارہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فیصلہ بھی احادیث سے ثابت ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کے پاس ایک شخص نے آکر بیان کیا کہ فلاں شخص کا بیٹا میرے بھائی کا ہے کیونکہ میرے بھائی نے کہا تھا کہ وہ لڑکا اصل میں میرا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سُن کر اس کی تعریف نہیں فرمائی یا یہ نہیں فرمایا کہ آؤ ہم دوسرے فریق کو قسم دیں بلکہ فرمایا اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ۔ یعنی بیٹا تو اسی کو ملے گا جس کی بیوی کہلاتی ہے لیکن جو شخص کہتا ہے میں نے زنا کیا ہے اُس کی سزا سنگساری ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ یہودی کتب میں یہی لکھا تھا۔ اس واقعہ پر غور کر کے دیکھ لو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قرارِ جرم کرنے والے کی تعریف نہیں فرمائی بلکہ اس کی مذمت کی اور فرمایا کہ اس کے اقرار کا اثر خود اُسی پر پڑے گا نہ کہ دوسرے پر۔ پس کسی کا اپنے جرم کو ظاہر کرنا یا اس کا اقرار کر لینا یہ ثابت نہیں کرتا کہ وہ بڑا نیک ہے کیونکہ شریعت تو گناہ کو ظاہر کرنے سے روکتی ہے۔ جب تک قاضی کے سامنے شہادت کے موقعہ پر اس کا بیان کرنا ازروئے شریعت ضروری نہ ہو۔ پس جو شخص بلاوجہ اپنی طرف بدکاریاں اور عیوب منسوب کرتا ہے اس کو تو شریعت شاہد عادل قرار نہیں دیتی کُجا یہ کہ اس کے اقرار کو کوئی اہمیت دی جائے۔ یا اسے اُس کے تقویٰ کا ثبوت سمجھا جائے۔ لیکن اگر کوئی شخص اقرار کرنے کی بجائے کسی دوسرے پر اتہام لگائے تو جس پر اتہام لگایا جائیگا اس سے پوچھا بھی نہیں جائے گا اور نہ اُس سے قسم یا مباہلہ کا مطالبہ کرنا جائز ہو گا۔ کیونکہ حدود میں قسم یا مباہلہ کرنا شریعت کی ہتک کرنا ہے اور یہی پرانے فقہاء کا مذہب ہے۔ چنانچہ امام محمدؒ جو امام ابو حنیفہؒ کے بعد اُن کے قائم مقام ہوئے اور جن کے متعلق علماء کا یہ خیال ہے کہ امام یوسفؒ جو حضرت امام ابو حنیفہؒ کے اوّل شاگرد تھے۔ اُن کا قول بھی فقہ میں اتنا قابلِ اعتماد نہیں جتنا امام محمدؒ کا۔ وہ اپنی کتاب المبسوط میں لکھتے ہیں: وَالْحُدُوْدَ لَا تُقَامُ بِالْاَیْمَانِ۔

(المبسوط جلد 9 صفحہ 502)

یعنی جن امور میں حد مقرر ہے اُن میں قسموں کی ذریعہ حد قائم نہیں کی جاسکتی۔ایسے امور کا فیصلہ بہر حال گواہوں کی گواہی پر منحصر ہو گا۔ پھر اگر کوئی الزام لگانے والا تین گواہ بھی لے آئے تو ان گواہوں کو بھی اور اتہام لگانے والے کو بھی اَسّی اَسّی کوڑوں کی سزا دی جائیگی کیونکہ انہوں نے ایک ایسی بات کہی جس کا اُن کے پاس کوشرعی ثبوت نہیں تھا۔"

(تفسیر کبیر جلد6 صفحہ 262-265)

ایک موقعے پر کچھ اسی طرح کے تناظر میں کہ جب لوگوں کی طرف سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ اس طرح کے الزام واتہام لگائے جانے پر مباہلہ کیوں نہیں کیا جاتا۔جو ایک طرح کی قسم ہی ہے۔ تو حضرت مصلح موعودؓ نے بیان فرمایا:

"بعض نادان کہتے ہیں کہ مباہلہ یا مقدمہ کیوں نہیں کرتے لیکن سوال یہ ہے کہ اگر ان کی بیویوں، بیٹیوں، بہنوں اور ماؤں کے متعلق یہی کچھ لکھا جائے تو کیا وہ ان سے مقدمات دائر کرائیں گے؟ میں اخبار "انصاف"، "ملاپ" اور دیگران اخبارات کے جو مجھے مقدمہ کرنے کے لئے کہتے ہیں ایڈیٹروں اور مینیجروں سے پوچھتا ہوں کہ اگر یہی کچھ ان کے متعلق لکھا جائے تو کیا وہ عدالت میں مقدمہ دائر کرنے کے لئے تیار ہیں؟ اگر تیار ہیں تو وہ صرف اس کا اعلان کر دیں اس کے بعد ہم سمجھ لیں گے کہ وہ جو کچھ لکھ رہے ہیں جائز اور درست لکھ رہے ہیں۔اسی طرح جو لوگ مباہلہ کرنے کو کہتے ہیں ان سے میں پوچھتا ہوں کہ کیا اس قسم کا مباہلہ اسلام میں جائز ہے...... ان سے میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں اور اب پھر کہتا ہوں کہ وہ اپنے علماء سے دلیل کے ساتھ فتوے شائع کرائیں کہ فلاں امام یا اس کے متبع کے قول سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی کسی پر حدود کے متعلق الزام لگائے تو الزام لگانے والے کو جائز ہے کہ مباہلہ کا چیلنج بھی دے سکے۔اس پر میں ہر ایک ایسی مثال کے لئے جو وہ پیش کریں گے سو روپیہ انعام دوں گا۔ پھر یہ بھی شرط نہیں کہ حنفی حنفی کا ہی قول پیش کریں بلکہ حنفی بے شک مالکیوں، حنبلیوں بلکہ شیعوں کا ہی پیش کر دیں وہ چاروں اماموں یا ان کے

شاگردوں اوراہل بیت یاان کے شاگردوں میں سے جس کاچاہیں حوالہ اس بارہ میں پیش کردیں۔ کہ حدودوالے گناہوں کاالزام لگانے والامباہلہ کاچیلنج دے سکتاہے اور ہر مثال کے لئے میں سَوروپیہ انعام دوں گا۔ میرااپناجومذہب ہے وہ تو قرآن کریم کی بناء پر ہے اور میں کسی رائے کی وجہ سے اسے بدل نہیں سکتا۔ لیکن میرا علم یہی کہتاہے کہ پہلوں نے بھی اسے جائز نہیں بتایا...... بلکہ اس کے خلاف لکھاہے۔ مثال کے طورپر حنفیوں کے ایک بڑے امام کی کتاب المبسوط کوہی دیکھ لیں کہ اس میں صاف الفاظ میں لکھاہے کہ ایسی صورت میں قسم دینی بھی جائز نہیں۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ 11اپریل1930ءخطبات محمود جلد12 صفحہ 359-361)

5. پھر دوبارہ اس معاشرتی برائی کی خطرناکی کی طرف توجہ دلاتے ہوئے بیان فرمایاکہ جب تمہیں حقیقت کاعلم ہی نہ تھا تو کیوں باتیں کرناشروع کردیں۔ یعنی کیاتم لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ کیاتم لوگوں کے پاس کوئی ٹھوس شواہد اور ثبوت تھے اس الزام یاواقعہ کی بابت؟ اگر نہیں تھے تو کیوں باتیں کرنے لگے اور ہاں میں ہاں ملانے لگے؟ اور تم اس طرح کے انداز اور ردعمل کو معمولی سمجھ رہے تھے۔ جبکہ خدا کے نزدیک یہ بہت ہی بڑی گناہ اور ناراضگی کی بات ہے۔ اِذۡ تَلَقَّوۡنَهٗ بِاَلۡسِنَتِكُمۡ وَتَقُوۡلُوۡنَ بِاَفۡوَاهِكُمۡ مَّا لَيۡسَ لَكُمۡ بِهٖ عِلۡمٌ وَّتَحۡسَبُوۡنَهٗ هَيِّنًا ‌ۖ وَّهُوَ عِنۡدَ اللّٰهِ عَظِيۡمٌ

6. اورایک بار پھر مومن کی شان یہ بتلائی کہ جب بھی تم نے ایسی گندی باتیں سنیں تو تمہارا ردعمل تو یہ ہوناچاہیے تھاکہ یہ کہتے کہ ہمارایہ کام نہیں کہ ان باتوں میں پڑیں۔ یہ تو کوئی بڑاالزام اور اتہام ہی لگتاہے۔ وَلَوۡلَاۤ اِذۡ سَمِعۡتُمُوۡهُ قُلۡتُمۡ مَّا يَكُوۡنُ لَنَاۤ اَنۡ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ‌ۖ سُبۡحٰنَكَ هٰذَا بُهۡتَانٌ عَظِيۡمٌ

7. ایک اوراہم بات کی طرف توجہ دلائی کہ کوئی کہہ سکتا تھاکہ یہ ماضی کی بات ہے ایک واقعہ ہوااور گزرگیا۔ لیکن یہ بات درست نہیں۔ حضرت اقدس مسیح موعودعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے متعدد بار

بیان فرمایاہے کہ قرآن کریم میں جو واقعات بیان ہوئے ہیں وہ محض تاریخ کے قصے کہانیوں کے طور پر نہیں ہیں بلکہ اس لئے ہیں کہ آئندہ بھی ایسی باتیں ہوں گی اور ہمیں دھیان رکھنا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں بھی ہر ایک کو جو قرآن کا مخاطب ہے متنبہ فرمایاہے یہ کہتے ہوئے کہ یَعِظُکُمُ اللّٰہُ اَنۡ تَعُوۡدُوۡا لِمِثۡلِہٖۤ اَبَدًا اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ کہ اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے مبادا تم آئندہ کبھی ایسی بات کا اعادہ کرو اگر تم مومن ہو۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آئندہ اس طرح کی گھناؤنی حرکتیں اور سازشیں ہونا تھیں اس لئے مومنوں کو پہلے سے بتا دیا، متنبہ کر دیا وارننگ دے دی کہ خبر دار محتاط رہنا اور ان باتوں کو پلے باندھ لو کہ اب آئندہ ایسے نہ ہو۔

8. برائی کی اشاعت نہ کرنا۔ جو لوگ تشہیر کریں گے اشاعت کریں گے وہ یاد رکھیں کہ آخرت میں تو ان کے لئے دردناک عذاب ہو گا ہی اسی دنیا میں بھی وہ بہت ہی دردناک عذاب کو حاصل کریں گے۔ اِنَّ الَّذِیۡنَ یُحِبُّوۡنَ اَنۡ تَشِیۡعَ الۡفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ۙ فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃِ ؕ وَاللّٰہُ یَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ

اشاعت فحش کہیں زیادہ خطرناک اور قابل سزا امر ہے

آخر کار ایک ماہ سے کچھ زائد دنوں تک ہونے والی آزمائش کے بادل چھٹنے لگے اور عرش کے خدا کی طرف سے بذریعہ قرآنی وحی کے حضرت عائشہؓ کی معصومیت اور پاکیزگی اور تقویٰ وطہارت پر مہر الٰہی ثبت کی گئی۔ یہ آیات سورت نور میں نازل ہوئیں۔ جس میں ایک اصولی رہنمائی یہ بھی کی گئی ہے کہ ہرچند کہ زنا جیسا فعل انتہائی قبیح فعل ہے اور خدائے جبار و قہار کی ناراضگی کا باعث بن جاتا ہے اور اس کی سزا 100 کوڑے رکھی گئی لیکن ایسے برے افعال کی شہرت اور اشاعت کی شناعت و برائی کو بھی کم و بیش ایسا فعل کرنے کے برابر برابر ہی قرار دیا گیا اور اسی لئے قرآنی حکم ہوا

کہ اگر تم ایسا فعل ہوتا ہوا دیکھ بھی رہے ہو تو محتاط رہنا خواہ مخواہ اس کی تشہیر نہ کرتے پھرنا کیوں؟ کیونکہ تمہارے لئے لازم ہے کہ شہادت کے طور پر چار گواہ پیش کرو۔ اگر ایسا نہیں کر سکو گے تو 80 کوڑے تمہیں لگائے جائیں گے۔ جو کہ ایسا فعل قبیح کے مرتکب کی سزا سے صرف 20 کوڑے ہی کم ہے اور اگر دو گواہ بھی ہوئے تب بھی تم گواہوں کو ہی سزا ملے گی اور اگر تین ہوئے تب بھی تمہیں ہی سزا ملے گی یہاں تک کہ چار گواہ نہ ہوں اور گواہی کا معیار بھی ایسا سخت ہے کہ شاید ہی اس طرح کی گواہی کوئی دیکھ سکے۔ کیونکہ محض دیکھنا ہی کافی نہ ہو گا۔ جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ جس معیار کی گواہی اور جو پیمانہ اس کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ اسلامی تاریخ کے ابتدائی بہترین نظام عدل یعنی خلافت راشدہ میں بھی ایسے گواہ میسر نہ آسکے اور ایک مشہور تاریخی واقعہ میں خلافت راشدہ کے زمانہ میں چار گواہ بھی مل گئے اور تین گواہوں نے عین مین ایسی گواہی بھی دے دی جو معیاری تھی لیکن چوتھے گواہ نے یہ کہا کہ میں نے انہیں عریاں حالت میں دیکھا تو ہے لیکن اس فعل کو اس طرح کرتے ہوئے نہیں دیکھا جیسا کہ گواہی کا معیار ہے تو حضرت عمرؓ جیسے خلیفہؓ نے ان چاروں گواہوں کو اس قرآنی حکم کے مطابق 80-80 کوڑوں کی سزا دی۔ اس لئے ایسے فعل کی تشہیر اور اشاعت کو قرآن کریم نے کہیں زیادہ قابل مذمت قرار دیتے ہوئے روکا ہے کہ خواہ مخواہ اس کا چرچا نہ کرتے پھرو اور نہ صرف یہ کہ ایسے ”گواہوں“ کے لئے سزا کا ارشاد باری ہوا بلکہ اس سزا کے ساتھ ساتھ یہ بھی حکم ہوا کہ آئندہ کبھی بھی کسی بھی معاملہ میں ان کی گواہی ہی قابل اعتبار نہ ہو گی اور خدا تعالیٰ نے ان لوگوں کو فاسق قرار دیا۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ

(النور:5)

وہ لوگ جو پاکدامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں پھر چار گواہ پیش نہیں کرتے تو انہیں اسی 80 کوڑے لگاؤ اور آئندہ کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو اور یہی لوگ ہیں جو فاسق ہیں۔

قرآن کریم میں سزاؤں کے جو احکامات نازل ہوئے ان کو یکجائی نظر سے دیکھا جائے تو زنا جیسے قبیح فعل سمیت ہم دیکھتے ہیں کہ ہر وہ برائی اور قبیح فعل جو معاشرے کے امن وسکون کو خراب کرنے والے ہیں ان کی سزا بھی سخت رکھی گئی اور اس کے لئے کچھ اس طرح کے احکام دئے گئے کہ ان برائیوں کی اشاعت نہ ہونے پائے۔ کیونکہ کچھ برائیاں اپنی ذات میں تو ایک دو افراد کی حد تک نقصان دہ ہوتی ہیں لیکن جب ان کی تشہیر اور اشاعت ہونا شروع ہو جائے تو پھر وہ کینسر کی طرح پورے معاشرے اور پوری قوم کو اپنی لپیٹ میں لے لیا کرتی ہیں اور یہ بات زیادہ بڑے نقصان کا موجب ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ اس کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مصلح موعودؓ اِنَّ الَّذِیۡنَ یُحِبُّوۡنَ اَنۡ تَشِیۡعَ الۡفَاحِشَۃُ کی تفسیر میں بیان فرماتے ہیں:

”ایسی باتیں کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ فحش پر دلیر ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ جب نوجوان سنتے ہیں کہ ہمارے بڑے بھی ایسے کام کر لیتے ہیں تو وہ بھی ایسے کام کرنے لگ جاتے ہیں۔ پس اس جرم پر جو سخت سزا تجویز کی گئی ہے تو وہ صرف فرد کی عزت کی حفاظت کیلئے نہیں بلکہ قوم کی عزت اور اس کے اخلاق کی حفاظت کیلئے ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان اس قسم کی باتیں کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے عذاب کا مستحق ہو جاتا ہے مگر بہت ہیں جو ایسی باتیں سنتے ہیں اور سنتے ہی نہیں آگے پہنچاتے ہیں اور جب پوچھا جائے تو کہہ دیتے ہیں کہ یونہی بات منہ سے نکل گئی تھی حالانکہ اللہ تعالیٰ واضح طور پر فرماتا ہے کہ یہ چیز اللہ تعالیٰ کے عذاب کا نشانہ بنا دیتی ہے۔ پس اس بہت بڑے گناہ سے بچو اور کوشش کرو کہ کبھی تمہارے منہ سے کسی کے متعلق ایسی بات نہ نکلے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے علم النفس کا ایک ایسا نکتہ بیان کیا ہے جو قرآن کریم کے کلام الٰہی

ہونے کا ایک زبر دست ثبوت ہے۔ کیونکہ علم النفس کی تحقیق پہلے زمانہ میں نہیں ہوئی تھی یہ تحقیق انیسویں صدی میں شروع ہوئی اور اب بیسویں صدی میں اس نے ایک علم کی صورت اختیار کی ہے۔ وہ مسئلہ جو قرآن کریم نے ان آیات میں بیان فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ بری باتوں کا مجالس میں تذکرہ نہیں کرنا چاہیے ورنہ وہی بُرائیاں لوگوں میں کثرت کے ساتھ پھیل جائیں گی۔ بے شک دنیا میں لوگ کثرت سے ڈاکہ اور چوری وغیرہ برے افعال سے نفرت کرتے ہیں لیکن باوجود اس کے میں سمجھتا ہوں کہ اگر ان کا ذکر لوگوں میں کثرت سے ہونے لگے تو تھوڑے ہی دنوں میں تم دیکھو گے کہ ڈاکہ کی وارداتیں زیادہ ہونے لگی ہیں...

غرض جب اشاعتِ فحش ہو اور بدی کا ذکر عام طور پر لوگوں کی زبان پر ہو۔ تو وہ بدی قوم میں پھیل جاتی ہے۔ اسی لئے ہماری شریعت نے عیوب کا عام تذکرہ ممنوع قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ جو اولی الامر ہیں اُن تک بات پہنچا دو اور خود خاموش رہو۔ اگر ایسا نہ کیا جائے اور ہر شخص کو یہ اجازت ہو کہ وہ دوسرے کا جو عیب بھی سُنے اُسے بیان کرتا پھرے۔ تو اُس کے نتیجہ میں قلوب میں سے بدی کا احساس مٹ جاتا ہے اور بُرائی پر دلیری پیدا ہو جاتی ہے۔ پس اسلام نے بدی کی اس جڑ کو مٹایا اور حکم دیا کہ تمہیں جب کوئی برائی معلوم ہو تو اولی الامر کے پاس معاملہ پہنچاؤ جو سزا دینے کا بھی اختیار رکھتے ہیں اور تربیت نفوس اور اصلاحِ قلب کیلئے اور تدابیر بھی اختیار کر سکتے ہیں۔ اس طرح بدی کی تشہیر نہیں ہو گی۔ قوم کا کیریکٹر محفوظ رہے گا اور لوگوں کی اصلاح بھی ہو جائیگی پس یاد رکھو کہ نیکی کی تشہیر اور بدی کا اخفاء یہ کوئی معمولی بات نہیں۔ بلکہ قومیں اس سے بنتی اور قومیں اس کی خلاف ورزی سے بگڑتی ہیں۔ جتنا تم اس بات کا زیادہ ذکر کرو گے کہ فلاں اتنی قربانی کرتا ہے۔ فلاں اس طرح نمازیں پڑھتا ہے۔ فلاں اس اہتمام سے روزے رکھتا ہے اتنا ہی لوگوں کے دلوں میں دین کیلئے قربانی کرنے اور نمازیں پڑھنے اور روزے رکھنے کی خواہش پیدا ہو گی اور جتنی تم اس بات کو شہرت دو گے کہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں وہ خیانت کرتے ہیں۔ وہ چوری کرتے

ہیں۔ وہ ظلم کرتے ہیں اتنا ہی لوگوں کے دلوں میں اُن بدیوں کی طرف رغبت پیدا ہوگی اسی لئے قرآن کریم نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ جب تم کسی کی نیکی دیکھو تو اُسے خوب پھیلاؤ اور جب کسی کی بدی دیکھو اس پر پردہ ڈالو۔ ایک بلی بھی جب پاخانہ کرتی ہے تو اُس پر مٹی ڈال دیتی ہے۔ پھر انسان کیلئے کس قدر ضروری ہے کہ وہ بدی کی تشہیر نہ کرے بلکہ اُس پر پردہ ڈالے اور اس کے ذکر سے اپنے آپ کو روکے۔ اگر اس ذکر سے اپنے آپ کو نہیں روکا جائیگا تو متعدی امراض کی طرح وہ بدی قوم کے دوسرے افراد میں بھی سرایت کر جائے گی اور خود اس کا خاندان تو لازماً اس میں مبتلا ہو جائیگا۔ کیونکہ انسان کا قاعدہ ہے کہ جو چیز کثرت سے اُس کے سامنے آئے وہ اس کی نظر میں حقیر ہو جاتی ہے اور جس بات کے متعلق یہ عام چرچا ہو کہ لوگ کثرت سے کرتے ہیں وہ بالکل معمولی سمجھی جاتی ہے۔ اس اصول کے ماتحت جو بات لوگوں میں عام طور پر پھیلائی جائے اس کا لوگوں پر یہ اثر پڑتا ہے کہ معمولی بات ہے اور جب اس قسم کے الزام کثرت سے لگائے جائیں اور لوگ اُن کے پھیلانے میں کسی کی عزت کی پرواہ نہ کریں تو لازماً وہ ان باتوں کو معمولی سمجھیں گے اور جب معمولی سمجھیں گے تو اُن کا ارتکاب بھی اُن کیلئے معمولی بات ہوگی۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم ایسا کرو گے اور اس قسم کی افواہوں کو نہیں روکو گے تو تمہاری قوم ان کو معمولی سمجھنے لگے گی اور جب معمولی سمجھے گی تو اس کا ارتکاب بھی کثرت سے کرے گی۔ اس لئے ایسی باتوں کو پھیلنے ہی نہ دو۔ اسی نکتہ کی طرف رسول کریم ﷺ نے بھی ان الفاظ میں توجہ دلائی ہے کہ مَنْ قَالَ هَلَكَ الْقَوْمُ فَهُوَ اَهْلَكَهُمْ۔ یعنی جس شخص نے یہ اعلان کرنا شروع کر دیا کہ ہماری قوم تباہ ہوگئی وہ اپنی قوم کو تباہ کرنے والا ہے۔

بعض لوگوں نے اس حدیث سے یہ دھوکا کھایا ہے کہ کسی شخص کے یہ کہنے سے کہ قوم ہلاک ہوگئی۔ ساری کی ساری قوم کس طرح ہلاک ہو سکتی ہے اور چونکہ یہ بات اُن کی سمجھ میں نہیں آئی اس لئے وہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں اَهْلَكَهُمْ کا لفظ نہیں بلکہ اَهْلَكُهُمْ کا لفظ ہے یعنی وہ شخص

سب سے زیادہ ہلاک ہونے والا ہے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے قومی نفسیات کو سمجھا ہی نہیں۔ یہ کہہ دینا کہ جو شخص کہتا ہے قوم ہلاک ہو گئی وہ سب سے زیادہ ہلاک ہونے والا ہے۔ اول تو بعض حالتوں میں درست ہی نہیں اور پھر یہ صحیح بھی نہیں کہ ان الفاظ کی وجہ سے وہ سب سے زیادہ ہلاک ہونے والا بن جاتا ہے۔ درحقیقت ان لوگوں نے اس بات کو نہیں سمجھا کہ جب کسی قوم میں مایوسی پیدا کر دی جائے تو وہ بڑے بڑے کام کرنے سے ہمیشہ کیلئے محروم ہو جاتی ہے۔ کبھی کسی قوم کا دانا اور سمجھدار لیڈر ایسا نہیں ہو سکتا جو اُس کو مایوس کر دے اور آئندہ ترقیات کے متعلق اس کے دل میں ناامیدی پیدا کر دے۔ کیونکہ جب کسی قوم کو مایوس کر دیا جائے تو وہ تباہ ہونی شروع ہو جاتی ہے...

پس یہ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مَنْ قَالَ هَلَكَ الْقَوْمُ فَهُوَ اَهْلَكَهُمْ یہ درحقیقت آپ نے ایک بہت بڑا نفسیاتی نکتہ بیان فرمایا تھا۔ اگر قوم کے لیڈر اس حدیث کو ہی یاد رکھتے اگر وہ اپنی قوم کو مایوس نہ کرتے۔ اگر وہ اپنی جہالت سے اُن کو یہ نہ کہتے کہ تمہارے لئے اب ترقی کا کوئی امکان نہیں۔ تو مسلمان روحانی میدان میں بھی آگے رہتے۔ اقتصادی میدان میں بھی آگے رہتے۔ عملی میدان میں بھی آگے رہتے اور سائنٹفک میدان میں بھی آگے رہتے۔ مگر ہمارے ہاں تو یہاں تک مصیبت بڑھی کہ مذہب تو الگ رہا مسلمانوں نے دنیوی علوم بھی پہلے لوگوں پر ختم کر دیئے۔ بو علی سینا کے متعلق کہہ دیا کہ اُس نے طب میں جو کچھ لکھ دیا ہے اس سے بڑھ کر اور کچھ نہیں لکھا جا سکتا۔ منطق کے متعلق کہہ دیا کہ اس بارہ میں فلاں منطقی جو کچھ لکھ گیا ہے اُس کے بعد منطق کے علم میں کوئی زیادتی نہیں کی جا سکتی۔ اسی طرح ایک ایک کرکے سارے علوم کے متعلق یہ فیصلہ کر دیا گیا کہ اُن کے متعلق پہلے لوگ جو کچھ لکھ چکے ہیں۔ اُن سے زیادہ اب کوئی شخص نہیں لکھ سکتا۔ گویا انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ هَلَكَ الْقَوْمُ جو کچھ پہلوں کو مل گیا وہ اب دوسروں کو نہیں مل سکتا، اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان بالکل تباہ ہو گئے۔ نہ مسلمانوں میں

خدا پرست رہے۔نہ مسلمانوں میں فقیہہ رہے۔نہ مسلمانوں میں قاضی رہے نہ مسلمانوں میں عارف رہے نہ مسلمانوں میں محدث رہے کیونکہ جو چیز بھی تھی اُسے گزشتہ لوگوں پر ختم کر دیا گیا اور قوم کو مایوس کر دیا گیا۔ غرض اس آیت میں خدا تعالیٰ نے قوم کی اصلاح کا یہ ایک لطیف نکتہ بیان فرمایا ہے کہ جس فعل کو روکنا چاہو تم اُس کی تشہیر کو روکو اور قوم کو مایوسی کا شکار نہ ہونے دو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتابوں میں تحریر فرمایا ہے کہ قرآن کریم کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ ہر بدی کی جڑ کو پکڑتا ہے اور اُسے اکھیڑتا ہے۔ اسی کے مطابق قرآن کریم بتاتا ہے کہ جس بدی کو تم روکنا چاہو اُس کے اتہام کو روکو اور اسی کا الٹ یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ جس نیکی کو قائم کرنا چاہو اُس کی عظمت اور اہمیت پھیلاؤ......پس اس بات کو یاد رکھو اور جو نواہی ہیں اُن کے اتہام کو برا سمجھو اور انہیں کبھی اپنی قوم میں پھیلنے نہ دو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو تھوڑے ہی عرصہ میں تمہارے اندر ایک عظیم الشان تغیر پیدا ہو جائے گا اور تم قومی اصلاح کے کام میں کامیاب ہو جاؤ گے۔“

(تفسیر کبیر جلد 6 صفحہ 274-280)

پس آج سے چودہ سو سال پہلے ہونے والے ایک واقعہ سے ہمیں سبق سیکھتے ہوئے ہمیں معاشرے میں رہتے ہوئے وہ عمل کرنا چاہیے جو خدا کی نظر میں پسندیدہ اور قابل قبول ہو وگرنہ اسوقت بھی اوراس کے بعد جب بھی کسی نے چاند پر تھوکنے کی کوشش کی وہ تھوک انہیں کے مونہوں پر گرتا رہا اور ایسے لوگ پھر کبھی کسی کو مونہہ دکھانے کے بھی قابل نہ رہے۔ اللہ کرے کہ ہم خدا اور اس کے رسول اور اس کے پیارے امام کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے والے ہوں اور امام کے پیچھے ہو کر اس کی اطاعت کرتے ہوئے علم و عمل میں ترقی کرنے والے ہوں۔

(روزنامہ الفضل آن لائن لندن 27 اکتوبر 2022ء)



درمکنون کا مضمون





واقعہ افک

غزوہ بنو مصطلق سے واپسی پر راستے میں ایک پڑاؤ کے بعد جب کوچ کا حکم ہوا تو حضرت عائشہؓ کے ہودج اٹھانے والوں نے ہودج اٹھایا اور چل پڑے مگر آپ قضائے حاجت کے لئے گئی ہوئی تھیں۔ ہودج والوں کو علم نہ ہو سکا۔ جب حضرت عائشہؓ واپس آئیں تو لشکر جا چکا تھا آپ ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئیں کچھ دیر بعد نیند کا غلبہ ہو گیا۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت صفوان بن معطلؓ کو قافلے کے پیچھے رہنے کا حکم دے رکھا تھا تاکہ پیچھے سے کوئی حملہ آور آئے تو اطلاع ہو سکے اور اگر کسی کی کوئی گری ہوئی چیز ملے تو وہ لے آئیں۔ انہوں نے حضرت عائشہؓ کو دیکھا تو اپنے اونٹ پر سوار کروا کر چل پڑے اور اگلی منزل پر لشکر سے آ ملے۔ رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی بن سلول نے اس واقعہ کو حضرت عائشہ پر تہمت لگانے کا بہانہ بنا لیا اور خوب چرچا کیا۔ مدینہ میں اس قدر شور و غل مچایا کہ ہر طرف اس افتراء اور بہتان درازی کا چرچا ہونے لگا اور بعض سادہ لوح صحابہ مثلاً حسان بن ثابتؓ، مسطح بن اثاثہؓ اور حمنہ بنت جحشؓ نے بھی اس تہمت کو پھیلانے میں کچھ حصہ لیا۔ رسول اللہ ﷺ اور حضرت عائشہؓ اور حضرت ابو بکرؓ کو اس سے شدید رنج و الم پہنچا۔ صحابہ کرام پر بھی یہ سخت ابتلا کی گھڑی تھی۔ بہر حال ایک ماہ بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہؓ کی برات نازل فرما دی۔

واقعہ افک کے نہایت اہم سبق

حضرت عائشہؓ کی برات کی وحی قرآن کریم کی سورہ نور آیات 12 تا 21 میں نازل ہوئی اس کا حضرت عائشہؓ کو بھی گمان نہ تھا وہ سمجھتی تھی کہ عام روزمرہ کی وحی میں انکی برات نازل ہو گی لیکن اللہ تعالی نے قرآن کریم میں ان آیات کو نازل کیا تاکہ مسلمان اس کو ہمیشہ یاد رکھیں اور جب کبھی دوبارہ ایسا واقعہ پیش آئے تو ٹھوکروں سے بچ جائیں اپنا ایمان بچانے والے ہوں اور شر پسند شریر منافقین کی باتوں میں ہرگز نہ آئیں۔ چنانچہ اللہ تعالی نے ان آیات میں نہایت اہم سبق مومنین کی جماعت کو دیئے مثلاً۔

- فرمایا إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِنْكُمْ یعنی جب ایسی بہتان درازی ہو اور اسکو پھیلایا جائے تو یہ ایک فرد کا کام نہیں بلکہ اسکے پیچھے کچھ اور بھی چہرے ہیں جو منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔
- فرمایا لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَكُمْ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَكُمْ اگرچہ دشمن نے تمہارے لئے شر انگیز ماحول پیدا کیا ہے لیکن تم اسکو شر نہ سمجھو اس میں اللہ نے تمہارے لئے کئی قسم کے خیر رکھ دیئے ہیں۔ اس واقعہ کے نتیجہ میں منافقین ممتاز کر دیئے گئے اور مومنوں کے دلوں کے زخم اللہ کے حضور عجز و نیازی، مناجات اور دعاؤں میں ڈھل گئے جسکی وجہ سے انکے ایمانوں کو نئی حرارت ملی اور اس فتنے کے بعد اللہ تعالی نے اور زیادہ کامیابیاں عطا کیں۔
- فرمایا لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ مَا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ یہ سخت تنبیہ ہے ان لوگوں کے لئے جو ان شر انگیز باتوں کو آگے پھیلاتے ہیں اور امام وقت اور اسکے ساتھیوں کے خلاف دلوں میں وسوسے پیدا کرنے کی ناپاک کوشش کرتے ہیں کہ وہ سخت گناہ گار ہیں اور اللہ کی پکڑ کے نیچے ہیں۔

- فرمایالَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنْفُسِهِمْ خَيْرًا یعنی جب تم نے یہ ناپاک پر اپیگنڈ اسناتو کیوں نہ تم نے اپنے مومن بھائی بہنوں کے بارے نیک گمان کیااور کہہ دیا کہ یہ سراسر ناپاک بہتان ہے۔
- فرمایالَوْلَا جَاءُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ یعنی جب کوئی بدکاری کاالزام لگاتاہے تو اسکو چار گواہ لانے چاہئیں اگر وہ چار گواہ نہیں لائے تو پھر یقینا وہ جھوٹے اور ناپاک لوگ ہیں۔ یاد رہے گناہ کرنے سے زیادہ بڑا گناہ اسکی تشہیر کرنا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالی ہر گناہ گار کو بالاخر معاف فرمادے گا سوائے مجاہرین کے۔ صحابہ نے عرض کی مجاہرین کون ہیں فرمایاوہ لوگ ہیں جنہوں نے کوئی گناہ کیااور پھر اسکی تشہیر کی (بخاری کتاب الادب) یہ توان کا ذکر ہے جو گناہ کرکے اسکی تشہیر کرنے والے ہیں لیکن اس آیت میں توان کا ذکر ہے جو معصوم لوگوں پر ناپاک بہتان باندھتے ہیں اور بغیر گواہوں یا ٹھوس ثبوت کے پھر اسکی تشہیر کرتے ہیں یہ تو مجاہرین سے بھی زیادہ گناہگار اور گھناؤنے جرم کاارتکاب کرنے والے ہیں۔ اگر انہوں نے توبہ نہ کی تو فرمایاانکوعَذَابٌ عَظِيمٌ بہت بڑاعذاب ملے گا۔
- فرمایاإِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُمْ مَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌیعنی جب تم ایسی باتوں کو ایک دوسرے سے لے کر پھیلانے لگے اور ایسی باتیں کرنے لگے جن کی حقیقت کا تم کو علم نہیں تھااور تم نے اسے معمولی اور ہلکا سمجھا۔ تو تمہارا یہ فعل اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔ شریعت نے یہ تعلیم دی گئی ہے کہ خیر کی بات پھیلاؤ اور شر کی بات مت پھیلاؤ تاکہ معاشرے میں امن برقرار رہے۔ بہتان درازی اور بدکاری کے الزام کو پھیلانا بہت بڑا گناہ ہے اس سے حیااور پاکیزگی کا ماحول متاثر ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالی نے سختی سے اسے منع کیا ہے۔ آج کل موبائل کا دور ہے بغیر سوچے سمجھے کہ یہ پیغام آگے پہنچانا کس قدر تباہ کن ہے اور اللہ کے حضور مجرم بنانے والا ہے اسکو معمولی اور ہلکی بات سمجھ کر اپنے آپ کو منافقین کی فہرست میں داخل کیا جاتا ہے۔

- فرمایاوَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُمْ مَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَتَكَلَّمَ بِهَذَا سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ یعنی جب تم نے یہ سنا تو کیوں نہ کہہ دیا کہ ہمارے لئے یہ جائز نہیں کہ ہم اس موضوع پر گفتگو کریں ہمارا رب پاک ہے یہ تو بہت بڑا بہتان ہے۔ یہ ہے مومنیں کا کردار جن سے اللہ اور اسکا رسول راضی ہے۔ ایسے فتنوں میں انکے درجات بلند ہوتے ہیں اور وہ اللہ کے قرب میں مزید ترقی کرتے اور اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے والے ہوتے ہیں۔
- فرمایايَعِظُكُمُ اللَّهُ أَنْ تَعُودُوا لِمِثْلِهِ أَبَدًا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ یعنی یہ کوئی معمولی بات نہیں بلکہ اللہ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ آئندہ کبھی بھی اس قسم کی حرکت نہیں کرنی اگر تم مومن ہو اور سچی توبہ کرلی ہے تو آئندہ ہرگز ان ناپاک سازش کا حصہ نہیں بننا۔ کیونکہ ایسی ناپاک سازشیں مومنوں کے جماعت میں بے حیائی کی فروغ کے لئے بنائی جاتی ہیں۔
- فرمایاإِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ یعنی جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایسی افواہیں اور بہتان درازی کو ہوا دے کر مومنوں کی پاک جماعت میں بے حیائی پھیلائی جائے انکے لئے دردناک عذاب ہے اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ پس ان باتوں کو معمولی خیال نہ کرو۔
- فرمایا وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ کہ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ پھر ایک بار اس مضمون کی سنگینی کی طرف اشارہ کیا ہے کہ تم ایسی باتیں کرنے اور آگے پھیلانے کو معمولی نہ جانو بلکہ ایسا کرنے والوں کے لئے یہ سخت مہلک ہے جسکا تم کو اس وقت علم نہیں تم سمجھ رہے ہو کہ ایک میسیج آگے بھیجنے میں کیا حرج ہے لیکن اللہ جانتا ہے کہ اسکے نتیجے میں تمہارا ایمان سلب ہو سکتا ہے اور تم خدا کے غضب کے نیچے آکر اسکے سخت عذاب میں گرفتار ہو سکتے ہو۔

- فرمایاوَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ایسے بہتان پھیلانے میں حصہ لینے والے یقیناسب کے سب ہلاک کئے جاتے اگر اللہ کا فضل اور اسکی رحمت نہ ہوتی جس نے تم کو توبہ کی توفیق دی اور تم کو بچالیا۔ پس ایسے موقعہ پر اگر کسی سے دانستہ یانادانستہ غلطی ہوگئی ہو اور وہ اشاعت فاحشہ کا کسی بھی پہلو سے ارتکاب کر چکا ہو تو اسے چاہئے کہ وہ توبہ واستغفار سے اللہ سے معافی کا خواستگار ہو اور اسکی رحمت اور فضل کے سائے میں آنے کی کوشش کرے۔ اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا بار بار رحم کرنے والا ہے۔

ایسے موقعوں پر طبعا مومنین کے دلوں میں اپنے امام کی محبت اور وفا کا جذبہ اور زیادہ مچل اٹھتا ہے انکی روحیں دیوانہ وار اپنے محبوب امام کے قدموں پر نچھاور ہو رہی ہوتی ہیں۔ انکی دلی تمنا اور آرزو ہوتی ہے کہ وہ اپنے پیارے آقا کے آگے ڈھال بن جائیں تا کہ کوئی دکھ اور کوئی غم انکے محبوب آقا تک نہ پہنچ پائے۔ اور وہ اپنے وفاؤں کے عہدوں کو اور زیادہ مستحکم کرتے اور اپنی اطاعت کے معیاروں کو اور زیادہ بلند کرتے ہیں۔ انکے ماتھے اپنے رب کے حضور سجدوں میں گرتے اور انکی روحیں اسکے آستانہ پر پگھلتی ہیں۔ جسکے نتیجے میں اللہ تعالی کی رحمت ایک بار پھر جوش مارتی ہے اور اپنے فضل و کرم لطف و عنایات کے نئے نظارے دکھاتی ہے یوں ان الہی جماعتوں کی ترقیات کی رفتار میں کئی گنا اضافہ ہوتا ہے اور انقلاب کے دن مزید قریب آجاتے ہیں۔ اللہ کرے کہ ایسا ہی ہو۔ آمین

مضامین کے لنکس

- واقعہ افک اور اس کا پس منظر (قسط 1) (علامہ ایچ ایم طارق)

https://www.alfazlonline.org/21/01/2022/52908/

- واقعہ افک میں مومنوں کے لیے سبق (قسط 2) (علامہ ایچ ایم طارق)

https://www.alfazlonline.org/22/01/2022/52991/

- واقعہ افک-تاریخ کے آئینہ میں (قسط 1) (ابو مصور خان)

https://www.alfazlonline.org/26/10/2022/71188/

- واقعۂ افک-تاریخ کے آئینہ میں (قسط 2) (ابو مصور خان)

https://www.alfazlonline.org/27/10/2022/71256/

- واقعہ افک (درمکنون)

https://www.alfazlonline.org/



ادارہ الفضل آن لائن کی کتب

1. اسلامی اصطلاحات کا بر محل استعمال
2. ارشادات حضرت مسیح موعودؑ بابت مختلف ممالک و شہر
3. جماعت احمدیہ کے ذریعہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ میں خلافت خامسہ کا عظیم الشان کردار اور معیت الٰہی
4. ارشادات نور
5. کتابِ تعلیم
6. ذیلی تنظیموں کا تعارف اور ان کے مقاصد
7. مجدد دین اسلام۔ تعارف و کارہائے نمایاں
8. میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا
9. جماعت احمدیہ کا نظام خلافت

10. اداریے (حنیف محمود کے قلم سے) جلد اول
11. حیات نورالدینؓ
12. دُعا، ربوبیت اور عبودیت کا ایک کامل رشتہ ہے
13. قرآنی انبیاء
14. معلمین وقفِ جدید کے لئے مشعلِ راہ
15. جامع المناھج والاسالیب
16. مقام و عظمتِ خلافت
17. اداریے (حنیف محمود کے قلم سے) جلد دوم
18. الفضل کی اہمیت، افادیت اور قلم کے استعمال کی ترغیب
19. مسز ناصر کی کہانی، مسز ناصر کی زبانی
20. واقعہ افک
21. قرآنی سورتوں کا تعارف (زیر تکمیل)
22. اداریے (حنیف محمود کے قلم سے) جلد سوم (زیر تکمیل)
23. اداریے بلحاظ ترتیب مضامین جلد اول (زیر تکمیل)
24. بچوں کی تقاریر از فرخ شاد (زیر تکمیل)
25. ہجری شمسی مہینوں کا تعارف (زیر تکمیل)

★★★★★